سُوْرَةُ القَصَصِ

سُوْرَةُ القَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٍ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ قصص مکی ہے اور اس کی اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

طٰسٓمٓ ۝١ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى

یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی ہم سناتے ہیں تجھ کو کچھ احوال موسیٰ

وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝٣ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ

اور فرعون کا تحقیق ان لوگوں کے واسطے جو یقین کرتے ہیں فرعون چڑھ رہا تھا ملک میں

وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ

اور کر رکھا تھا وہاں کے لوگوں کو کئی فرقے کمزور کر رکھا تھا ایک فرقہ کو ان میں ذبح کرتا تھا اُن کے بیٹوں کو

وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝٤ وَنُرِيْدُ اَنْ

اور زندہ رکھتا تھا انکی عورتوں کو بیشک وہ تھا خرابی ڈالنے والا اور ہم چاہتے ہیں کہ

نَّمُنَّ عَلَي الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّ

احسان کریں ان لوگوں پر جو کمزور ہوئے پڑے تھے ملک میں اور کر دیں اُن کو سردار اور

نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝٥ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ

کر دیں اُن کو قائم مقام اور جما دیں اُن کو ملک میں اور دکھا دیں فرعون

وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝٦ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى

اور ہامان کو اور انکے لشکروں کو انکے ہاتھ سے جس چیز کا اُن کو خطرہ تھا اور ہم نے حکم بھیجا

اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَ

موسیٰ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلاتی رہ پھر جب تجھ کو ڈر ہو اسکا تو ڈال دے اس کو دریا میں اور

لَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٧

نہ خطرہ کر اور نہ غمگین ہو ہم پھر پہنچا دیں گے اسکو تیری طرف اور کر دیں گے اُس کو رسولوں سے

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ

پھر اُٹھا لیا اُس کو فرعون کے گھر والوں نے کہ ہو اُن کا دشمن اور غم میں ڈالنے والا بیشک فرعون اور

هَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝٨ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ

ہامان اور اُن کے لشکر تھے چوکنے والے اور بولی فرعون کی عورت یہ تو آنکھوں کی

عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ۡ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا

ٹھنڈک ہے میرے لئے اور تیرے لئے اسکو مت مارو، کچھ بعید نہیں جو ہمارے کام آئے یا ہم اسکو کر لیں بیٹا

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ

اور ان کو کچھ خبر نہ تھی اور صبح کو موسیٰ کی ماں کے دل میں قرار نہ رہا قریب تھی کہ

لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰي قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٠

ظاہر کر دے بیقراری کو اگر نہ جمنے گرہ دی ہوتی اسکے دل پر اسواسطے کہ رہے یقین کرنے والوں میں

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۚ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝١١

اور کہدیا اسکی بہن کو پیچھے چلی جا پھر دیکھتی رہی اس کو اجنبی ہو کر اور اُن کو خبر نہ ہوئی

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى

اور روک رکھا تھا ہم نے موسیٰ سے دائیوں کو پہلے سے پھر بولی میں بتلاؤں تم کو ایک

اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝١٢ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ

گھر والے کہ اس کو پال دیں تمہارے لئے اور وہ اسکا بھلا چاہنے والے ہیں پھر ہم نے پہنچا دیا اسکو اسکی ماں

كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ

کی تاکہ ٹھنڈی رہے اسکی آنکھ اور غمگین نہ ہو اور جانے کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے پر

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝١٣

بہت لوگ نہیں جانتے

خلاصۂ تفسیر

طٰسٓمٓ (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ (مضامین جو آپ پر وحی کئے جاتے ہیں) کتاب واضح (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں (جن میں اس مقام پر) ہم آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر (یعنی نازل کر کے) سناتے ہیں ان لوگوں کے (نفع کے) لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں (کیونکہ مقاصد قصص کے یعنی عبرت اور ان سے نبوت پر استدلال وغیرہ یہ مؤمنین ہی کے ساتھ خاص ہیں خواہ اسوقت مؤمن ہوں یا ایمان کا ارادہ رکھتے ہوں اور اجمال تو اس قصہ کا یہ ہے کہ) فرعون

سرزمین (مصر) میں بہت چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا (اس طرح کہ قبطیوں یعنی مصری لوگوں کو معزز بنا رکھا تھا اور سبطیوں یعنی بنی اسرائیل کو پست اور خوار کر رکھا تھا جسکا آگے بیان ہے) کہ ان (باشندوں) میں سے ایک جماعت (یعنی بنی اسرائیل) کا زور گھٹا رکھا تھا (اس طرح سے کہ) ان کے بیٹوں کو (جو نئے پیدا ہوتے تھے جلادوں کے ہاتھوں) ذبح کراتا تھا اور ان کی عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو زندہ رہنے دیتا تھا (تاکہ ان سے خدمت لیجاوے و نیز ان سے اندیشہ بھی نہ تھا) واقعی وہ بڑا مفسد تھا (غرض فرعون تو اس خیال میں تھا) اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زمین (مصر) میں زور گھٹایا جا رہا تھا ہم ان پر (دُنیوی و دینی) احسان کریں اور (وہ احسان یہ کہ) ان کو (دین میں) پیشوا بنا دیں اور (دُنیا میں) ان کو (اس ملک کا) مالک بنائیں اور (مالک ہونے کے ساتھ) انکو (ملک بھی بنائیں یعنی) زمین میں ان کو حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین کو ان (بنی اسرائیل) کی جانب سے وہ (ناگوار) واقعات دکھلائیں جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے (مراد اس سے زوالِ سلطنت و ہلاکت ہے کہ اسی سے بچاؤ کرنے کے لئے بنی اسرائیل کے بچوں کو ایک تعبیر خواب کی بناء پر جو فرعون نے دیکھا تھا اور نجومیوں نے تعبیر دی تھی قتل کر رہا تھا (کذا فی الدر المنثور) پس ہمارے قضاء و قدر کے سامنے ان لوگوں کی تدبیر کچھ کام نہ آئی، یہ اجمال قصہ کا ہوا) اور (تفصیل اس کی اوّل سے یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اسی پُرآشوب زمانہ میں پیدا ہوئے تو) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کو الہام کیا کہ (جب تک ان کا اِخفا ممکن ہو) تم ان کو دودھ پلاؤ پھر جب تم کو ان کی نسبت (جاسوسوں کے مطلع ہونے کا) اندیشہ ہو تو (بے خوف و خطر) ان کو (صندوق میں رکھ کر) دریا (یعنی نیل) میں ڈال دینا اور نہ تو (غرق سے) اندیشہ کرنا اور نہ (مفارقت پر) غم کرنا (کیونکہ) ہم ضرور ان کو پھر تمہارے ہی پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر اپنے وقت پر) ان کو پیغمبر بنا دیں گے (غرض وہ اسی طرح دودھ پلاتی رہیں۔ پھر جب افشائے راز کا خوف ہوا تو صندوق میں بند کر کے اللہ کے نام پر نیل میں چھوڑ دیا، اسکی کوئی شاخ فرعون کے محل میں جاتی تھی یا تفریحاً فرعون کے متعلقین دریا کی سیر کو نکلے تھے۔ غرض وہ صندوق کنارے پر لگا) تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو (یعنی مع صندوق کے) اُٹھا لیا تاکہ وہ ان لوگوں کے لئے دشمنی اور غم کا باعث بنیں، بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین (اس بارہ میں) بہت چوکے (کہ اپنے دشمن کو اپنی بغل میں پالا) اور (جب وہ صندوق سے نکال کر فرعون کے سامنے لائے گئے تو) فرعون کی بی بی (حضرت آسیہ) نے (فرعون) سے کہا کہ یہ (بچہ) میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے (یعنی اس کو دیکھ کر جی خوش ہوا کرے گا تو) اس کو قتل مت کرو عجب نہیں کہ (بڑا ہو کر) ہم کو کچھ فائدہ پہنچا دے یا ہم اس کو (اپنا) بیٹا ہی بنا لیں اور ان لوگوں کو (انجام کی) خبر نہ تھی (کہ یہ وہی بچہ ہے جس کے ہاتھوں فرعون کی سلطنت غارت ہوگی)

اور (ادھر یہ قصہ ہوا کہ) موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا دل (خیالات مختلفہ کے ہجوم سے) بیقرار ہو گیا (اور بیقراری بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ ایسی سخت بیقراری کہ) قریب تھا کہ (غایت بیقراری سے) وہ موسیٰ (علیہ السلام) کا حال (سب پر) ظاہر کر دیتیں اگر ہم اُن کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے ہیں کہ یہ (ہمارے وعدہ پر) یقین کئے (بیٹھی) رہیں (غرض بمشکل انھوں نے دل کو سنبھالا اور تدبیر شروع کی وہ یہ کہ) انھوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کی بہن (یعنی اپنی بیٹی سے) کہا ذرا موسیٰ کا سُراغ تو لگاؤ (وہ چلیں اور یہ معلوم کر کے کہ صندوق محل میں کھلا ہے محل میں پہنچیں، یا تو ان کی آمد و رفت ہو گی یا کسی حیلہ سے پہنچیں، اور) انھوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو دُور سے دیکھا اور ان لوگوں کو یہ خبر نہ تھی (کہ یہ ان کی بہن ہیں اور اس فکر میں آئی ہیں) اور ہم نے پہلے ہی سے (یعنی جب سے صندوق سے نکلے تھے) موسیٰ (علیہ السلام) پر دودھ پلائیوں کی بندش کر رکھی تھی (یعنی کسی کا دودھ نہ لیتے تھے) سو وہ (اس حال کو دیکھ کر موقع پا کر) کہنے لگیں کیا میں تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ (اپنی جبلت کے موافق دل سے) اس کی خیر خواہی کریں (ان لوگوں نے ایسے وقت میں کہ دودھ پلانے کی مشکل پڑ رہی تھی اس مشورہ کو غنیمت سمجھا اور ایسے گھرانے کا پتہ پوچھا انھوں نے اپنی والدہ کا پتہ بتلا دیا چنانچہ وہ بُلائی گئیں اور موسیٰ علیہ السلام انکی گود میں دیئے گئے۔ جاتے ہی دودھ پینا شروع کر دیا اور ان لوگوں کی اجازت سے چین سے اپنے گھر لے آئیں اور گاہے گاہے جا کر ان کو دکھلا آتیں) غرض ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اس طرح (انکی والدہ کے پاس (اپنے وعدہ کے موافق) واپس پہنچا دیا تاکہ (اپنی اولاد کو دیکھ کر) انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تاکہ (فراق کے) غم میں نہ رہیں اور تاکہ (مرتبہ معائنہ میں) اس بات کو (اور زیادہ یقین کے ساتھ) جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا (ہوتا) ہے لیکن (افسوس کی بات ہے کہ) اکثر لوگ (انکا یقین نہیں رکھتے (یہ تعریض ہے کفار پر)۔

معارف و مسائل

سورۂ قصص مکّی سورتوں میں سب سے آخری سُورت ہے جو ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ اور جحفہ (رابغ) کے درمیان نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ سفر ہجرت میں جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جحفہ یعنی رابغ کے قریب پہنچے تو جبرئیل امین تشریف لائے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کیا آپ کو آپ کا وطن جس میں آپ پیدا ہوئے یاد آتا ہے تو آپنے فرمایا کہ ہاں ضرور یاد آتا ہے۔ اس پر جبرئیل امین نے یہ سورت قرآن سُنائی جس کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بشارت ہے کہ انجام کار مکہ مکرمہ فتح ہو کر آپکے قبضہ میں آئے۔ وہ آیت یہ ہے اِنَّ

الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ، سورۂ قصص میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پہلے اجمال کے ساتھ پھر تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ نصف سورت تک موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ اور آخر سورت میں قارون کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پورے قرآن میں کہیں مختصر کہیں مفصل بار بار آیا ہے سورۂ کہف میں تو انکے اُس قصہ کی تفصیل آئی ہے جو خضر علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا، پھر سورۂ طٰہٰ میں پورے قصہ کی تفصیل ہے اور یہی تفصیل سورۂ نمل میں بھی کچھ آئی ہے پھر سورۂ قصص میں اسکا اعادہ ہوا ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں جہاں موسیٰ علیہ السلام کے لئے ارشاد ربانی یہ آیا ہے کہ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا۔ حضرات محدثین امام نسائی وغیرہ نے اس پورے قصے کی مکمل تفصیل وہاں لکھی ہے احقر نے بھی ابن کثیر کے حوالہ سے یہ مکمل تفصیل سورۂ طٰہٰ میں بیان کردی ہے۔ اس قصہ کے متعلقہ اجزا کی تمام بحثیں اور ضروری مسائل اور فوائد کچھ سورۂ کہف میں باقی سورۂ طٰہٰ میں ذکر کردیئے گئے ہیں۔ مسائل مباحث کے لئے اُن کو دیکھنا کافی ہوگا یہاں صرف الفاظ آیات کی مختصر تفسیر پر اکتفا کیا جائے گا۔

وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً الآیۃ، اس آیت میں تدبیر فرعونی کا بمقابلہ تقدیر الٰہی کے نہ صرف خائب و خاسر ہونا بلکہ فرعون اور اسکے سب اہل دربار کو انتہائی بے وقوف بلکہ اندھا بنانے کا ذکر ہے کہ جس لڑکے کے متعلق خواب اور تعبیر خواب کی بنا پر فرعون کو خطرہ لاحق ہوا تھا اور جس کی بنا پر بنی اسرائیل کے لاتعداد نوزائیدہ لڑکوں کو ذبح کرنے کا قانون جاری کیا تھا اس کو حق تعالیٰ نے اسی فرعون کے گھر میں اسی کے ہاتھوں پرورش کرایا اور والدہ کے اطمینان کے لئے انہی کی گود میں حیرت انگیز طریقہ پر پہنچا دیا اور فرعون سے رضاعت کا خرچ جو بعض روایات میں ایک دینار روزانہ تبلایا گیا ہے مزید وصول کیا گیا۔ اور دودھ پلانے کا یہ معاوضہ چونکہ ایک کافر حربی سے اسکی رضامندی کے ساتھ لیا گیا ہے اسلئے اسکے جواز میں بھی کوئی اشکال نہیں۔ اور بالآخر جس خطرہ کے دُور کرنے کے لئے ساری قوم پر یہ مظالم ڈھائے تھے وہ اُسی کے گھر کے اندر سے ایک شدید لاڈا بن کر پھوٹا اور خواب کی تعبیر اللہ تعالیٰ نے اُس کو آنکھوں سے دکھا دی وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ کا یہی حاصل ہے۔

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوْسٰۤی، وحی کا لفظ اس جگہ لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے، وحی نبوت مراد نہیں اسکی تحقیق سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤی اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی

اور جب پہنچ گیا اپنے زور پر اور سنبھل گیا دی ہم نے اسکو حکمت اور سمجھ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں

الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا

نیکی والوں کو اور آیا شہر کے اندر جس وقت بے خبر ہوئے تھے وہاں کے لوگ

فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ

پھر پائے اس میں دو مرد لڑتے ہوئے یہ ایک اس کے رفیقوں میں اور یہ دوسرا اسکے دشمنوں میں

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ

پھر فریاد کی اُس سے اُسنے جو تھا اسکے رفیقوں میں اسکی جو تھا اسکے دشمنوں میں پھر مُکا مارا

مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ

اسکو موسیٰ نے پھر اس کو تمام کردیا بولا یہ ہوا شیطان کے کام سے بیشک وہ دشمن ہے

مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ

بہکانے والا صریح بولا اے میرے رب میں نے بُرا کیا اپنی جان کا، سو بخش مجھ کو

فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ

پھر اسکو بخشدیا بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان بولا اے رب جیسا تو نے فضل

عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ

کردیا مجھ پر پھر میں کبھی نہ ہونگا مددگار گناہگاروں کا پھر صبح کو اُٹھا اس شہر میں

خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ

ڈرتا ہوا انتظار کرتا ہوا پھر ناگہاں جس نے کل مدد مانگی تھی اُس سے آج پھر فریاد کرتا ہے اس سے

قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ

کہا موسیٰ نے بیشک تو بے راہ ہے صریح پھر جب چاہا کہ ہاتھ ڈالے اُس پر

بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا

جو دشمن تھا ان دونوں کا بول اُٹھا اے موسیٰ کیا تو چاہتا ہے کہ خون کرے میرا جیسے

قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی

خون کر چکا ہے کل ایک جان کا تیرا یہی جی چاہتا ہے کہ زبردستی کرتا پھرے

الْاَرْضِ وَمَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ

ملک میں اور نہیں چاہتا کہ ہو صلح کرادینے والا اور آیا شہر کے

مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ

پرلے سرے سے ایک مرد دوڑتا ہوا کہا اے موسیٰ دربار والے مشورہ کرتے ہیں تجھ پر

لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآىِٕفًا

کہ تجھ کو مار ڈالیں سو نکل جا میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا

يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾

راہ دیکھتا بولا اے رب بچالے مجھ کو اس قوم بے انصاف سے

خلاصۂ تفسیر

اور جب (پروردش پاکر) اپنی بھری جوانی (کی عمر) کو پہنچے اور (قوتِ جسمانیہ عقلیہ سے) درست ہوگئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا (یعنی نبوت سے پہلے ہی فہم سلیم و عقل مستقیم جس سے حسن و قبح میں امتیاز کرسکیں عنایت فرمائی) اور ہم نیکوکاروں کو یوں ہی صلہ دیا کرتے ہیں (یعنی عمل صالح سے فیضانِ علمی میں ترقی ہوتی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ فرعون کے مشرب کو موسیٰ علیہ السلام نے کبھی اختیار نہ کیا تھا بلکہ اس سے نفور رہے) اور (اسی زمانہ کا ایک واقعہ یہ ہوا کہ ایکبار) موسیٰ (علیہ السلام) شہر میں (یعنی مصر میں کذا فی الروح عن ابن اسحٰق کہیں باہر سے) ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے (اکثر) باشندے بے خبر (پڑے سو رہے) تھے (اکثر روایات سے یہ وقت دو پہر کا معلوم ہوتا ہے اور بعض روایات سے کچھ رات گئے کا وقت معلوم ہوتا ہے کذا فی الدر المنثور) تو انھوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا، ایک تو ان کی برادری (یعنی بنی اسرائیل) میں کا تھا اور دوسرا اُن کے مخالفین (یعنی فرعون کے متعلقین ملازمین) میں سے تھا (دونوں کسی بات پر اُلجھ رہے تھے اور زیادتی اس فرعونی کی تھی) سو وہ جو ان کی برادری کا تھا اس نے (جو) موسیٰ (علیہ السلام کو دیکھا تو ان) سے اسکے مقابلہ میں جو کہ انکے مخالفین میں سے تھا مدد چاہی (موسیٰ علیہ السلام نے اوّل اسکو سمجھایا جب اسپر بھی وہ باز نہ آیا) تو موسیٰ (علیہ السلام) نے (تادیباً دفع ظلم کیلئے) اس کو (ایک) گھونسا مارا سو اسکا کام بھی تمام کردیا (یعنی اتفاق سے وہ مر ہی گیا) موسیٰ (علیہ السلام اس خلاف توقع نتیجہ سے بہت پچھتائے اور) کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہوگئی بیشک شیطان (بھی آدمی کا) کھلا دشمن ہے کسی غلطی میں ڈالدیتا ہے (اور نادم ہو کر حق تعالیٰ سے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ سے قصور ہوگیا آپ معاف کردیجئے سو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا، بلاشبہ وہ غفور رحیم ہے (گو ظہور اور علم اس معافی کا قطعی طور پر وقت عطاء نبوت کے ہوا کما فی الجمل اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ، اور اس وقت خواہ الہام سے معلوم ہوگیا ہو یا بالکل نہ معلوم ہوا ہو) موسیٰ (علیہ السلام) نے (توبہ عن الماضی کے ساتھ مستقبل کے متعلق یہ بھی) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار چونکہ آپنے مجھ پر (بڑے بڑے) انعامات فرمائے ہیں (جنکا ذکر طٰہٰ میں ہے وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى اِلٰى قولہ وَلَا تَحْزَنْ) سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کرونگا (یہاں مجرمین سے مراد وہ ہیں جو دوسروں سے گناہ کا کام کرانا چاہیں، کیونکہ گناہ کرانا کسی سے یہ بھی جرم ہے پس اسمیں شیطان بھی داخل ہوگیا

کہ وہ گناہ کراتا ہے اور گناہ کرنیوالا اسکی مدد کرتا ہے خواہ عمداً یا خطأً جیسے اس آیت میں ہے وکان الکافر علی ربہ ظہیراً ای للشیطان، مطلب یہ ہوا کہ میں شیطان کا کہنا کبھی نہ مانوں گا یعنی مواقع محتملہ خطأ میں احتیاط و تیقظ سے کام لونگا اور اصل مقصود اتنا ہی ہے مگر شمول حکم کے لئے مجرمین جمع کا صیغہ لایا گیا کہ اوروں کو بھی عام ہو جاوے غرض اس اثنار میں اسکا چرچا ہوگیا مگر بجز اسرائیلی کے کوئی واقف راز نہ تھا اور چونکہ اسی کی حمایت میں یہ واقعہ ہوا تھا اس لئے اُسنے اظہار نہیں کیا اسوجہ سے کسی کو اطلاع نہ ہوئی مگر موسیٰ علیہ السلام کو اندیشہ رہا، یہانتک رات گزری) پھر موسیٰ (علیہ السلام) کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور وحشت کی حالت میں کہ اچانک (دیکھتے کیا ہیں کہ) وہی شخص جس نے کل گزشتہ میں ان سے امداد چاہی ہے وہ پھر ان کو (مدد کے لئے) پکار رہا ہے کہ کسی اور سے اُلجھ پڑا تھا) موسیٰ (علیہ السلام یہ دیکھ کر اور کل کی حالت یاد کرکے اس پر ناخوش ہوئے اور) اس سے فرمانے لگے بیشک تو صریح بدراہ (آدمی) ہے کہ روز لوگوں سے لڑا کرتا ہے موسیٰ علیہ السلام کو قرائن سے معلوم ہوا ہوگا کہ اس کی طرف سے بھی کوئی غصہ ہوا ہے لیکن زیادتی فرعونی کی دیکھ کر اس کو روکنے کا ارادہ کیا) سو جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اسپر ہاتھ بڑھایا جو دونوں کا مخالف تھا (مراد فرعونی ہے کہ وہ اسرائیلی کا بھی مخالف تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا بھی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے ہیں اور وہ لوگ سب بنی اسرائیل کے مخالف تھے گویا بالتعیین موسیٰ علیہ السلام کو اسرائیلی نہ سمجھا ہو اور یا موسیٰ علیہ السلام چونکہ فرعون کے طریقہ سے نفور تھے یہ امر مشہور ہوگیا ہو اسلئے فرعون والے ان کے مخالف ہوگئے ہوں۔ بہرحال جب موسیٰ علیہ السلام نے اس فرعونی پر ہاتھ لپکایا اور اس سے پہلے اسرائیلی پر خفا ہو چکے تھے تو اس سے اس اسرائیلی کو شبہ ہوا کہ شاید آج مجھ پر دار و گیر کرینگے تو گھبرا کر) وہ اسرائیلی کہنے لگا اے موسیٰ کیا (آج) مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کہ کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو (معلوم ہوتا ہے کہ) بس تم دُنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح (اور ملاپ) کروانا نہیں چاہتے (یہ کلمہ اس فرعونی نے سُنا، قاتل کی تلاش ہو رہی تھی اتنا سُراغ لگ جانا بہت ہے فوراً فرعون کو خبر پہنچادی۔ فرعون اپنے آدمی کے مارے جانے سے برہم تھا یہ سُن کر آشفتہ ہوا اور شاید اس سے اسکا وہ خواب کا اندیشہ قوی ہوگیا ہو کہ کہیں وہ شخص یہی نہ ہو، خصوصاً اگر موسیٰ علیہ السلام کا فرعونی طریقہ کو ناپسند کرنا بھی فرعون کو معلوم ہو تو کچھ عداوت اس سبب سے ہوگی اس پر یہ مزید ہوا بہرحال اس نے اپنے درباریوں کو مشورہ کے لئے جمع کیا اور اخیر رائے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی قرار پائی) اور (اس مجمع میں) ایک شخص (موسیٰ علیہ السلام کے محب اور خیر خواہ تھے وہ) شہر کے (اس) کنارے سے (جہاں یہ مشورہ ہو رہا تھا موسیٰ علیہ السلام کے پاس نزدیک کی گلیوں سے) دوڑتے ہوئے آئے (اور) کہنے لگے کہ اے موسیٰ

اہل دربار آپکے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں سو آپ (یہاں سے) چل دیجئے میں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں پس (یہ سن کر) موسیٰ (علیہ السلام) وہاں سے (کسی طرف کو) نکل گئے، خوف اور وحشت کی حالت میں (اور چونکہ راستہ معلوم نہ تھا دُعا کے طور پر) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو ان ظالم لوگوں سے بچا لیجئے (اور امن کی جگہ پہنچا دیجئے)۔

معارف و مسائل

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى، اَشُدّ کے لفظی معنے قوت و شدت کی انتہا پر پہنچنا ہے یعنی انسان بچپن کے ضعف سے تدریجاً قوت و شدت کی طرف بڑھتا ہے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اسکے وجود میں جتنی قوت و شدت آسکتی تھی وہ پوری ہو جائے اسوقت کو اَشُدّ کہا جاتا ہے اور یہ زمین کے مختلف خطوں اور قوموں کے مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کسی کا اَشُد کا زمانہ جلد آجاتا ہے کسی کا دیر میں۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد سے بروایت عبد ابن حمید یہ منقول ہے کہ اَشُدّ عمر کے تینتیس سال میں ہوتا ہے اسی کو سِن کمال یا سِن وقوف کہا جاتا ہے جسمیں بدن کا نشو و نما ایک حد پر پہنچکر رُک جاتا ہے اسکے بعد چالیس کی عمر تک توقف کا زمانہ ہے اسی کو استوٰی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے چالیس سال کے بعد انحطاط اور کمزوری شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمر کا اَشُد تینتیس سال کی عمر سے شروع ہو کر چالیس سال تک رہتا ہے۔ (روح و قرطبی)

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا، حکم سے مراد نبوت و رسالت ہے اور علم سے مراد احکام الٰہیہ شرعیہ کا علم ہے۔ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا، المدینۃ سے مراد اکثر مفسّرین کے نزدیک شہر مصر ہے۔ اسمیں داخل ہونے کے لفظ سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام مصر سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے پھر ایک روز اس شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جو عام لوگوں کی غفلت کا وقت تھا۔ آگے قتل قبطی کے قصہ میں اسکا بھی تذکرہ ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت و رسالت کا اور دین حق کا اظہار شروع کر دیا تھا اسی کے نتیجہ میں کچھ لوگ اُنکے مطیع و فرمانبردار ہو گئے تھے جو انکے متبعین کہلاتے تھے مِنْ شِيْعَتِهٖ کا لفظ اس پر شاہد ہے۔ ان تمام قرائن سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے جو ابن اسحٰق اور ابن زید سے منقول ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ہوش سنبھالا اور دین حق کی کچھ باتیں لوگوں سے کہنے لگے تو فرعون ان کا مخالف ہو گیا اور قتل کا ارادہ کیا مگر فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کی درخواست پر انکے قتل سے باز آیا مگر ان کو شہر سے نکالنے کا حکم دیدیا۔ اسکے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں کسی جگہ رہنے لگے اور کبھی کبھی چھپ کر مصر شہر میں آتے تھے، اور عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا سے مراد اکثر مفسّرین کے نزدیک دوپہر کا وقت ہے جبکہ لوگ قیلولہ میں تھے۔ (قرطبی)

فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى، وکز کے معنے مُکّا مارنے کے ہیں فَقَضٰى عَلَيْهِ، قضاہ اور قضیٰ علیہ کا محاورہ اُسوقت بولا جاتا ہے جب کسی شخص کا بالکل کام تمام کر دے اور فارغ ہو جائے۔ اسی لئے یہاں اسکے معنی قتل کر دینے کے ہیں۔ (مظہری)

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ، اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اس قبطی کافر کا قتل جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلا ارادہ صادر ہو گیا تھا موسیٰ علیہ السلام نے اسکو بھی اپنے منصب نبوت و رسالت اور پیغمبرانہ عظمتِ شان کے لحاظ سے اپنا گناہ قرار دیکر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ یہاں پہلا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ قبطی کافر شرعی اصطلاح کے لحاظ سے ایک حربی کافر تھا جسکا قتل عمداً بھی مباح اور جائز تھا کیونکہ نہ یہ کسی اسلامی حکومت کا ذمی تھا نہ موسیٰ علیہ السلام سے اسکا کوئی معاہدہ تھا پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسکو عملِ شیطان اور گناہ کیوں قرار دیا؟ اسکا قتل تو بظاہر موجب اجر ہونا چاہیئے تھا کہ ایک مسلمان پر ظلم کر رہا تھا اسکو بچانے کے لئے یہ قتل واقع ہوا۔

جواب یہ ہے کہ معاہدہ جیسے قولی اور تحریری ہوتا ہے جیسے عموماً اسلامی حکومتوں میں اہل ذمہ سے معاہدہ یا کسی غیر مسلم حکومت سے صلح کا معاہدہ اور یہ معاہدہ باتفاق واجب العمل اور اسکی خلاف ورزی غدر اور عہد شکنی کے سبب حرام ہوتی ہے اسی طرح معاہدہ عملی بھی ایک قسم کا معاہدہ ہی ہوتا ہے اس کی بھی پابندی لازمی اور خلاف ورزی عہد شکنی کے مرادف ہے۔

معاہدہ عملی کی صورت یہ ہے کہ جس جگہ مسلمان اور کچھ غیر مسلم کسی دوسری حکومت میں باہمی امن و اطمینان کے ساتھ رہتے بستے ہوں ایک دوسرے پر حملہ کرنا یا لوٹ مار کرنا طرفین سے غداری سمجھا جاتا ہو تو اس طرح کی معاشرت اور معاملات بھی ایک قسم کا عملی معاہدہ ہوتے ہیں انکی خلاف ورزی جائز نہیں اسکی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی وہ طویل حدیث ہے جس کو امام بخاری نے کتاب الشروط میں مفصل روایت کیا ہے اور واقعہ اسکا یہ تھا کہ حضرت مغیرہ ابن شعبہ قبل از اسلام اپنے زمانہ جاہلیت میں ایک جماعت کفار کے ساتھ مصاحبت اور معاشرت رکھتے تھے پھر انکو قتل کر کے انکے اموال پر قبضہ کر لیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور جو مال ان لوگوں کا لیا تھا وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اس پر آپ نے ارشاد فرمایا، اما الاسلام فاقبل واما المال فلست منہ فی شیٔ اور ابو داؤد کی روایت میں اسکے الفاظ یہ ہیں، اما المال فمال غدر لاحاجۃ لنا فیہ، یعنی آپ کا اسلام تو ہمنے قبول کر لیا اور اب آپ مسلمان ہیں مگر یہ مال ایسا مال ہے جو غدر اور عہد شکنی سے حاصل ہوا ہے اسلئے ہمیں اس مال کی کوئی حاجت نہیں۔ شارح بخاری حافظ ابن حجر نے شرح میں فرمایا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ کفار کا مال حالتِ امن میں لوٹ لینا حلال نہیں کیونکہ ایک بستی کے رہنے والے یا ایک ساتھ کام کرنے والے

ایک دوسرے سے اپنے کو مأمون سمجھتے ہیں اُن کا یہ علمی معاہدہ بھی ایک امانت ہے جسکا صاحب املاک کو ادا کرنا فرض ہے چاہے وہ کافر ہو یا مسلم۔ اور کفار کے اموال جو مسلمانوں کے لئے حلال ہوتے ہیں تو وہ صرف محاربہ اور مغالبہ کی صورت میں حلال ہوتے ہیں، حالتِ امن و امان میں جبکہ ایک دوسرے سے اپنے کو مأمون سمجھ رہا ہو کسی کافر کا مال لوٹ لینا جائز نہیں اور قسطلانی نے شرح بخاری میں فرمایا

ان اموال المشرکین ان کانت مغنومۃ عند القھر فلا یحل اخذھا عند الامن فاذا کان الانسان مصاحبا لھم فقد امن کل واحد منھم صاحبہ فسفک الدماء و اخذ المال مع ذلک غدر حرام الا ان ینبذ الیھم عھدھم علی سواء

بیشک مشرکین کے اموال جنگ اور جہاد کے وقت مغنوم و مباح ہیں لیکن امن کی حالت میں حلال نہیں اسلئے جو مسلمان کفار کے ساتھ رہتا سہتا ہو کہ علمی طور پر ایک دوسرے سے مأمون ہو تو ایسی حالت میں کسی کافر کا خون بہانا یا مال زبردستی لینا غدر حرام ہے جب تک کہ اُن کے اس علمی معاہدہ سے دستبرداری کا اعلان نہ کردے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قبطی کا قتل اس علمی معاہدہ کی بناء پر اگر بالقصد ہوتا تو جائز نہیں تھا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسکے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ اسرائیلی شخص کو اسکے ظلم سے بچانے کے لئے ہاتھ کی ضرب لگائی جو عادۃً سببِ قتل نہیں ہوتی مگر قبطی اس ضرب سے مرگیا تو موسیٰ علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ اسکو دفع کرنے کے لئے اس ضرب سے کم درجہ بھی کافی تھا یہ زیادتی میرے لئے درست نہ تھی، اسی لئے اسکو عمل شیطان قرار دے کر اُس سے مغفرت طلب فرمائی۔

فائدہ یہ تحقیق حکیم الامۃ مجدد الملۃ سیدی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی ہے جو آپ نے بزبانِ عربی احکام القرآن سورۂ قصص لکھتے وقت ارشاد فرمائی تھی اور یہ آخری علمی تحقیق ہے جس کا استفادہ احقر نے حضرت رح سے کیا کیونکہ آپ نے یہ ارشاد ۲ رجب ۱۳۶۲ھ میں فرمایا تھا اس کے بعد مرض کی شدت بڑھی اور ۱۹ رجب کو یہ آفتاب عالم غروب ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون

اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اگرچہ قبطی کا قتل مباح تھا مگر انبیاء علیہم السلام مباحات میں بھی اہم معاملات میں اسوقت تک اقدام نہیں کرتے جب تک خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ کیطرف سے اجازت و اشارہ نہ ملے، اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خصوصی اجازت کا انتظار کئے بغیر یہ اقدام فرمایا تھا اسلئے اپنی شان کے مطابق اس کو گناہ قرار دے کر استغفار کیا (کذا فی الروح وغیرہ ولہ وجہ)

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس لغزش کو جب حق تعالیٰ نے معاف فرمادیا تو آپ نے اس نعمت کے شکر میں یہ عرض کیا کہ میں آئندہ کسی مجرم کی مدد نہ کرونگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس اسرائیلی کی مدد کے لئے یہ اقدام کیا تھا دوسرے واقعہ سے یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ وہ خود ہی جھگڑالو ہی، جھگڑا لڑائی اسکی عادت ہے

اسلئے اس کو مجرم قرار دے کر آئندہ کسی ایسے شخص کی مدد نہ کرنے کا عہد فرمایا۔ اور حضرت ابن عباس رضؓ سے اس جگہ مجرمین کی تفسیر کافرین کے ساتھ منقول ہے اور قتادہ نے بھی تقریباً ایسا ہی فرمایا ہے اس تفسیر کی بناء پر واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی جس کی امداد موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی یہ بھی مسلمان نہ تھا مگر اُس کو مظلوم سمجھ کر امداد فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد سے دو مسئلے ثابت ہوئے۔

مسئلہ اوّل یہ کہ مظلوم اگرچہ کافر یا فاسق ہی ہو اُس کی امداد کرنا چاہیئے۔ دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ کسی مجرم ظالم کی مدد کرنا جائز نہیں۔ علماء نے اس آیت سے استدلال فرما کر ظالم حکام کی ملازمت کو بھی ناجائز قرار دیا ہے کہ وہ بھی اُن کے ظلم کے شریک سمجھے جائیں گے اور اس پر سلف صالحین سے متعدد روایات نقل کی ہیں (کما فی روح المعانی) کفار یا ظالموں کی امداد و اعانت کی مختلف صورتیں ہیں اور انکے احکام کتب فقہ میں مفصّل مذکور ہیں۔ احقر نے احکام القرآن میں بزبان عربی اسی آیت کے ذیل میں اس مسئلہ کی پوری تحقیق و تنقیح لکھدی ہے اہل علم اس کو دیکھ سکتے ہیں۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ

اور جب متوجہ کیا مدین کی سیدھ پر بولا اُمید ہے کہ میرا رب لے جائے مجھ کو سیدھی

السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ

راہ پر اور جب پہنچا مدین کے پانی پر پایا وہاں ایک جماعت کو لوگوں کی

يَسْقُوْنَ ۡ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا

پانی پلاتے ہوئے، اور پایا اُن سے ورے دو عورتوں کو کہ روکے ہوئے کھڑی تھیں اپنی بکریاں، بولا تمہارا

خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۭ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ

کیا حال ہے بولیں ہم نہیں پلاتیں پانی پر واہوں کے پھیر لے جانے تک اور ہمارا باپ بوڑھا ہے

كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ

بڑی عمر کا پھر اُسنے پانی پلا دیا انکے جانوروں کو پھر ہٹ کر آیا چھاؤں کیطرف، بولا اے رب تو جو چیز

اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى

اُتارے میری طرف اچھی میں اُسی کا محتاج ہوں پھر آئی اسکے پاس ان دونوں میں سے ایک چلتی تھی

اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ

شرم سے بولی میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے کہ بدلے میں دے حق اسکا کہ تو نے پانی پلا دیا ہمارے جانوروں

لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۡ نَجَوْتَ

کو پھر جب پہنچا اسکے پاس اور بیان کیا اُس سے احوال، کہا مت ڈر بچ آیا تو

مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ز
اس قوم بے انصاف سے بولی ان دونوں میں سے ایک اے باپ اس کو نوکر رکھ لے

اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ
البتہ بہتر نوکر جس کو تو رکھنا چاہے وہ ہے جو زور آور ہو امانتدار کہا میں چاہتا ہوں کہ

اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ
بیاہ دوں تجھ کو ایک بیٹی اپنی ان دونوں میں سے اس شرط پر کہ تو میری نوکری کرے آٹھ

حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ
برس پھر اگر تو پورے کردے دس برس تو وہ تیری طرف سے ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر

اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ
تکلیف ڈالوں، تو پائے گا مجھ کو اگر اللہ نے چاہا نیک بختوں سے بولا

ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ
یہ وعدہ ہوچکا میرے اور تیرے بیچ جونسی مدت ان دونوں میں پوری کردوں، سو زیادتی نہ ہو مجھ پر

وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۲۸﴾
اور اللہ پر بھروسہ اس چیز کا جو ہم کہتے ہیں

خُلاصۂ تفسیر

اور جب موسیٰ (علیہ السلام یہ دُعا کرکے ایک سمت کو توکلاً علی اللہ چلے اور بتائید غیبی) مدین کی طرف ہولئے (چونکہ راستہ معلوم نہ تھا اسلئے تقویت و توکل اور نفس کو تسکین دینے کے لئے آپ ہی آپ) کہنے لگے کہ اُمید ہے کہ میرا رب مجھ کو (کسی مقامِ امن کا) سیدھا رستہ چلاوے گا (چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مدین جا پہنچے) اور جب مدین کے پانی (یعنی کنوئیں) پر پہنچے تو اس پر (مختلف) آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو (اس کنوئیں سے کھینچ کھینچ کر اپنے مواشی کو) پانی پلارہے تھے اور ان لوگوں سے ایک طرف (الگ) دو عورتیں دیکھیں کہ وہ (اپنی بکریاں) روکے کھڑی ہیں، موسیٰ (علیہ السلام) نے (ان سے) پوچھا تمہارا کیا مطلب ہے وہ دونوں بولیں کہ (ہمارا معمول یہ ہے کہ) ہم (اپنے جانوروں کو) اسوقت تک پانی نہیں پلاتے جب تک کہ یہ چرواہے (جو کنوئیں پر پانی پلارہے ہیں) پانی پلاکر (جانوروں کو) ہٹا کر نہ لیجاویں (ایک تو حیا کے سبب، دوسرے مردوں سے مزاحمت ناتوانوں سے کب ہوسکتی ہے) اور (اس حالت میں ہم آتے بھی نہیں مگر) ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں (اور گھر پر اور کوئی کام کرنے والا ہی نہیں اور کام ضروری ہے اس مجبوری کو ہم کو آنا پڑتا ہے) پس (یہ سنکر)

موسیٰ (علیہ السلام کو رحم آیا اور انھوں نے) ان کے لئے پانی (کھینچ کر انکے جانوروں کو) پلایا (اور ان کو انتظار اور پانی کھینچنے کی تکلیف سے بچایا) پھر (وہاں سے) ہٹ کر (ایک) سایہ (کی جگہ) میں جا بیٹھے (خواہ کسی پہاڑ کا سایہ ہو یا کسی درخت کا) پھر (جناب باری میں) دُعا کی کہ اے میرے پروردگار (اسوقت) جو نعمت بھی (قلیل یا کثیر) آپ مجھ کو بھیجدیں میں اسکا (سخت) حاجتمند ہوں (کیونکہ اس سفر میں کچھ کھانے پینے کو نہ ملا تھا۔ حق تعالےٰ نے اسکا یہ سامان کیا کہ وہ دونوں بیبیاں اپنے گھر لوٹ کر گئیں تو باپ نے معمول سے جلدی آجانے کی وجہ دریافت کی، اُنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کا پورا قصہ بیان کیا انھوں نے ایک لڑکی کو بھیجا کہ اُن کو بلا لاؤ) موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس ایک لڑکی آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی (جو کہ اہلِ شرف کی طبعی حالت ہے اور آکر) کہنے لگی کہ میرے والد تمکو بلاتے ہیں تاکہ تم کو اسکا صلہ دیں جو تمنے ہماری خاطر (ہمارے جانوروں کو) پانی پلادیا تھا (یہ ان صاحبزادی کو اپنے والد کی عادت سے معلوم ہوا ہوگا کہ احسان کی مکافات کیا کرتے ہونگے۔ موسیٰ علیہ السلام ساتھ ہولئے گو مقصود موسیٰ علیہ السلام کا بالیقین اپنی خدمت کا معاوضہ لینا نہ تھا، لیکن مقامِ امن اور کسی رفیق شفیق کے ضرور باقتضائے وقت جویاں تھے، اور اگر بھوک کی شدت بھی اس جانے کا ایک جزو علت ہو تو مضائقہ نہیں اور اس کو اُجرت سے کچھ تعلق نہیں اور ضیافت کی تواستدعا بھی بالخصوص حاجت کے وقت اور خصوصاً کریم و شریف آدمی سے کچھ ذلت نہیں چہ جائیکہ دوسرے کی استدعا پر ضیافت کا قبول کرلینا، راہ میں موسیٰ علیہ السلام نے ان بی بی سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے ہوجاؤ میں اولادِ ابراہیم سے ہوں، اجنبیہ کو بے وجہ بے قصد دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا، غرض اسی طرح ان بزرگ کے پاس پہنچے) سو جب اُن کے پاس پہنچے اور ان سے تمام حال بیان کیا تو اُنھوں نے (تسلی دی اور) کہا کہ (اب) اندیشہ نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے (کیونکہ اس مقام پر فرعون کی عملداری نہ تھی کذا فی الروح، پھر) ایک لڑکی نے کہا کہ ابا جان (آپ کو آدمی کی ضرورت ہے اور ہم سیانی ہوگئیں اب گھر میں رہنا مناسب ہے تو) آپ ان کو نوکر رکھ لیجئے، کیونکہ اچھا نوکر وہ شخص ہے جو مضبوط (بھی ہو اور) امانت دار (بھی) ہو (اور ان میں دونوں صفتیں ہیں، چنانچہ قوت انکے پانی کھینچنے سے اور امانت ان کے برتاؤ سے، خصوصاً راہ میں عورت کو پیچھے کردینے سے ظاہر ہوتی تھی اور اپنے باپ سے بھی بیان کیا تھا اس پر) وہ (بزرگ موسیٰ علیہ السلام سے) کہنے لگے میں چاہتا ہوں کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو (اور اس نوکری کا بدلہ وہی نکاح ہے، حاصل یہ کہ آٹھ سال کی خدمت اس نکاح کا مہر ہے) پھر اگر تم دس سال پورے کردو تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے (یعنی میری طرف سے جبر نہیں) اور میں (اس معاملہ میں) تم پر کوئی مشقت ڈالنا نہیں چاہتا (یعنی

کام لینے اور وقت کی پابندی وغیرہ معاملہ کی فروعات میں آسانی برتوں گا اور) تم مجھ کو انشاء اللہ تعالیٰ خوش معاملہ پاؤ گے موسیٰ (علیہ السلام رضامند ہو گئے اور) کہنے لگے کہ (بس تو) یہ بات میرے اور آپکے درمیان (پکی) ہو چکی، میں ان دونوں مدتوں میں سے جس (مدت) کو بھی پورا کر دوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا اور ہم جو (معاملہ) کی بات چیت کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اسکا گواہ (کافی) ہے (اسکو حاضر ناظر سمجھ کر عہد پورا کرنا چاہیئے)۔

معارف ومسائل

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ، مَدْيَنَ ملک شام کے ایک شہر کا نام ہے جو مدین بن ابراہیم کے نام سے موسوم ہے۔ یہ علاقہ فرعونی حکومت سے خارج تھا۔ مصر سے مدین کی مسافت آٹھ منزل کی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعونی سپاہیوں کے تعاقب کا طبعی خوف پیش آیا، جو نہ نبوت و معرفت کے منافی ہے نہ توکل کے، تو مصر سے ہجرت کا ارادہ کیا اور مدین کی سمت شاید اسلئے متعین کی کہ مدین بھی اولاد ابراہیم علیہ السلام کی بستی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی انہی کی اولاد میں تھے۔

اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بالکل بے سروسامانی کے ساتھ اسطرح مصر سے نکلے کہ نہ کوئی توشہ ساتھ تھا نہ کوئی سامان اور نہ راستہ معلوم، اسی اضطرار کی حالت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کیطرف متوجہ ہوئے اور فرمایا عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ، یعنی امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا راستہ دکھائیگا، اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ مفسرین کا بیان ہے کہ اس سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غذا صرف درختوں کے پتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سب سے پہلا ابتلاء اور امتحان تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے ابتلاءات اور امتحانات کی تفصیل سورۂ طٰہٰ میں ایک طویل حدیث کے حوالہ سے بیان ہو چکی ہے۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَاۗءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ، مَاءِ مَدْيَنَ سے مراد وہ کنواں ہے جس سے اس بستی کے لوگ اپنے مواشی کو پانی پلاتے تھے وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ، یعنی دو عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنی بکریوں کو پانی کیطرف جانے سے روک رہی تھیں تاکہ ان کی بکریاں دوسرے لوگوں کی بکریوں میں رَل نہ جائیں۔

قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاۗءُ ۫وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ، لفظ خطب شان اور حال کے معنے میں جبکہ وہ کوئی اہم کام ہو۔ معنے یہ ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں عورتوں سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے کہ تم اپنی بکریوں کو روکے کھڑی ہو دوسرے لوگوں کی طرح کنویں کے پاس لاکر پانی نہیں پلاتیں؟ ان دونوں نے یہ جواب دیا کہ ہماری عادت یہی ہے کہ ہم مردوں

کے ساتھ اختلاط سے بچنے کے لئے اسوقت تک اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلاتیں جب تک یہ لوگ کنویں پر ہوتے ہیں، جب یہ چلے جاتے ہیں تو ہم اپنی بکریوں کو پلاتے ہیں اور اسمیں جو یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا تمہارا کوئی مرد نہیں جو عورتوں کو اس کام کے لئے نکالا؟ اسکا جواب بھی ان عورتوں نے ساتھ ہی دیدیا کہ ہمارے والد بوڑھے ضعیف العمر ہیں وہ یہ کام نہیں کر سکتے اسلئے ہم مجبور ہوئے۔

اس واقعہ سے چند اہم فوائد حاصل ہوئے۔ اوّل یہ کہ ضعیفوں کی امداد انبیاء کی سنت ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو عورتوں کو دیکھا کہ بکریوں کو پانی پلانے کے لئے لائی ہیں مگر ان کو لوگوں کے ہجوم کے سبب موقع نہیں مل رہا تو ان سے حال دریافت کیا۔ دوسرا یہ کہ اجنبی عورت سے بوقت ضرورت بات کرنے میں مضائقہ نہیں جب تک کہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ تیسرا یہ کہ اگرچہ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جبکہ عورتوں پر پردہ لازم نہیں تھا جسکا سلسلہ اسلام کے بھی ابتدائی زمانہ تک جاری رہا، ہجرت مدینہ کے بعد عورتوں کے لئے پردہ کے احکام نازل ہوئے لیکن اسوقت بھی پردہ کا جو اصل مقصد ہے وہ طبعی شرافت اور حیا کے سبب عورتوں میں موجود تھا کہ ضرورت کے باوجود مردوں کیساتھ اختلاط گوارا نہ کیا اور تکلیف اٹھانا قبول کیا۔ چوتھا یہ کہ عورتوں کا اس طرح کے کاموں کے لئے باہر نکلنا اسوقت بھی پسندیدہ نہیں تھا اسی لئے انھوں نے اپنے والد کے معذور ہونے کا عذر بیان کیا۔

فَسَقٰى لَهُمَا، یعنی موسیٰ علیہ السلام نے ان عورتوں پر رحم کھا کر کنویں سے پانی نکال کر ان کی بکریوں کو سیراب کر دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ چرواہوں کی عادت یہ تھی کہ اپنے جانوروں کو پانی پلانے کے بعد کنویں کو ایک بھاری پتھر سے بند کر دیتے تھے اور یہ عورتیں اپنی بکریوں کے لئے بچے کھچے پانی پر اکتفا کرتی تھیں۔ یہ بھاری پتھر ایسا تھا جس کو دس آدمی مل کر اٹھاتے تھے مگر موسیٰ علیہ السلام نے اس کو تنہا اٹھا کر الگ کر دیا اور کنویں سے پانی نکالا۔ شاید اسی وجہ سے ان عورتوں میں سے ایک نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے والد سے یہ کہا کہ یہ قوی ہیں۔ (قرطبی)

ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سات روز سے کوئی غذا نہیں چکھی تھی، اسوقت ایک درخت کے سائے میں آکر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حالت اور حاجت پیش کی جو دعا کرنے کا ایک لطیف طریقہ ہے۔ لفظ خیر کبھی مال کے معنے میں آتا ہے جیسا اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ میں ہے، کبھی قوت کے معنے میں آتا ہے جیسے اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ میں، کبھی کھانے کے معنے میں بھی آتا ہے جو اس جگہ مراد ہے (قرطبی)

فَجَاۗءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَي اسْتِحْيَاۗءٍ، قرآنی اسلوب کے مطابق یہاں قصہ کو مختصر کر دیا گیا ہے۔ پورا واقعہ یہ ہوا کہ یہ عورتیں اپنے مقررہ وقت سے پہلے جلدی سے گھر پہنچ گئیں تو انکے والد نے وجہ دریافت کی، لڑکیوں نے واقعہ بتلایا۔ والد نے چاہا کہ اس شخص نے احسان کیا ہے

انکی مکافات کرنا چاہیئے اسلئے انھیں لڑکیوں میں سے ایک کو ان کے بُلانے کے لئے بھیجا۔ یہ حیا کے ساتھ چلتی ہوئی پہنچی۔ اس میں بھی اشارہ ہے کہ باوجود پردہ کے باقاعدہ احکام نازل نہ ہونے کے نیک عورتیں مَردوں سے بے محابا خطاب نہ کرتی تھیں ضرورت کی بناء پر یہ وہاں پہنچی تو حیا کے ساتھ بات کی جسکی صورت بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ اپنے چہرہ کو آستین سے چھپا کر گفتگو کی۔ روایات تفسیر میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اسکے ساتھ چلنے لگے تو لڑکی سے کہا کہ تم میرے پیچھے ہو جاؤ اور زبان سے مجھے راستہ بتاتی رہو۔ مقصد یہ تھا کہ ان کی نظر لڑکی پر نہ پڑے شاید اسی سبب سے لڑکی نے اپنے والد سے ان کے متعلق انکے امین ہونے کا ذکر کیا۔ ان لڑکیوں کے والد کون تھے اسمیں مفسرین نے اختلاف نقل کیا ہے مگر آیاتِ قرآن سے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شعیب علیہ السلام تھے جیسا کہ قرآن میں ہے وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا (قرطبی)

اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْکَ، یہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لڑکی خود ہی اپنی طرف سے ان کو دعوت دیتی مگر ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے والد کا پیغام سُنایا کیونکہ کسی اجنبی مرد کو خود دعوت دینا حیا کے خلاف تھا۔

اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ، یعنی شعیب علیہ السلام کی ایک صاحبزادی نے اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ کو گھر کے کاموں کے لئے ملازم کی ضرورت ہے آپ ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ ملازم میں دو صفتیں ہونا چاہئیں ایک کام کی قوت و صلاحیت دوسرے امانتداری۔ ہمیں ان کے پتھر اُٹھا کر پانی پلانے سے ان کی قوت و قدرت کا اور راستہ میں لڑکی کو اپنے پیچھے کر دینے سے امانتداری کا تجربہ ہو چکا ہے۔

کوئی ملازمت یا عہدہ سُپرد کرنے کے لئے اہم شرطیں دو ہیں

حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کی زبان پر اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمت کی بات جاری فرمائی۔ آجکل سرکاری عہدوں اور ملازمتوں کے لئے کام کی صلاحیت اور ڈگریوں کو تو دیکھا جاتا ہے مگر دیانت و امانت کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ اسکا نتیجہ ہے کہ عام دفتروں اور عہدوں کی کارروائی میں پوری کامیابی کے بجائے رشوت خوری، اقرباء پروری وغیرہ کی وجہ سے قانون معطل ہو کر رہ گیا ہے۔ کاش لوگ اس قرآنی ہدایت کی قدر کریں تو سارا انتظام درست ہو جائے۔

قَالَ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَکَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ ھٰتَیْنِ، یعنی لڑکیوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام نے خود ہی اپنی طرف سے اپنی لڑکی کو ان کے نکاح میں دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لڑکیوں کے ولی کو چاہیے کہ کوئی مرد صالح ملے تو اسکا انتظار نہ کرے کہ اسی کی طرف سے نکاح کے معاملہ کی تحریک ہو، بلکہ خود بھی پیش کر دینا سُنّتِ انبیاء ہے جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے بیوہ ہو جانے کے بعد از خود ہی صدیق اکبرؓ اور عثمان غنیؓ سے ان کے نکاح کی پیش کش کی تھی۔ (قرطبی)

اِحْدَی ابْنَتَیَّ ھٰتَیْنِ، حضرت شعیب علیہ السلام نے دونوں لڑکیوں میں سے کسی کو معیّن کر کے گفتگو نہیں فرمائی بلکہ اس کو مبہم رکھا کہ انمیں سے کسی ایک کو آپکے نکاح میں دینے کا ارادہ ہے مگر چونکہ یہ گفتگو باقاعدہ عقدِ نکاح کی گفتگو نہ تھی جسمیں ایجاب و قبول گواہوں کے سامنے ہونا شرط ہے بلکہ معاملہ کی گفتگو تھی کہ آپ کو آٹھ سال کی نوکری اس نکاح کے عوض میں منظور ہو تو ہم نکاح کر دیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر معاہدہ کر لیا۔ آگے یہ خود بخود ظاہر ہے کہ باقاعدہ نکاح کیا گیا ہوگا۔ اور قرآن کریم عموماً قصّے کے اُن اجزاء کو ذکر نہیں کرتا جن کا وقوع سیاق و سباق سے ظاہر اور یقینی ہو۔ اس تحقیق کی بناء پر یہاں یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ زوجہ منکوحہ کو متعین کئے بغیر نکاح کیسے ہو گیا یا گواہوں کے بغیر کیسے ہو گیا (کذا فی الروح وبیان القرآن)

عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ، یہ آٹھ سال کی ملازمت و خدمت نکاح کا مہر قرار دیا گیا اس میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے کہ شوہر اپنی بیوی کی خدمت و ملازمت کو اسکا مہر قرار دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی مکمل تحقیق مع دلائل کے بزبان عربی احکام القرآن سورۂ قصص میں مفصل لکھدی گئی ہے اہلِ علم وہاں دیکھ سکتے ہیں عوام کے لئے اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اگر یہ معاملہ مہر کا شریعتِ محمدیہ کے لحاظ سے درست نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ شریعتِ شعیب علیہ السلام میں درست ہو اور شرائعِ انبیاء میں ایسے فروعی فرق ہونا نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ سے ظاہر الروایت میں یہی صورت منقول ہے کہ خدمتِ زوجہ کو مہر نہیں بنایا جا سکتا مگر ایک روایت جس پر علماء متاخرین نے فتویٰ دیا ہے یہ ہے کہ خود بیوی کی خدمت کو مہر بنانا تو شوہر کی تکریم و احترام کے خلاف ہے مگر بیوی کا کوئی ایسا کام جو گھر سے باہر کیا جاتا ہے جیسے مواشی چرانا یا کوئی تجارت کرنا اگر اسمیں شرائط اجارہ کے مطابق مدت معین کر دی گئی ہو جیسا کہ اس واقعہ میں آٹھ سال کی مدت معین ہے تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ اس مدت کی ملازمت کی تنخواہ جو بیوی کے ذمہ لازم ہو تو اس تنخواہ کو مہر قرار دینا جائز ہے (ذکرہ فی البدائع عن نوادر ابن سماعہ)

ہاں ایک دوسرا سوال یہاں یہ ہوتا ہے کہ مہر تو بیوی کا حق ہے بیوی کے باپ یا کسی عزیز کو بغیر اجازت زوجہ مہر کی رقم نقد بھی دے دی جائے تو مہر ادا نہیں ہوتا۔ اس واقعہ میں اَنْ تَاْجُرَنِیْ کے الفاظ اس پر شاہد ہیں کہ والد نے ان کو اپنے کام کے لئے ملازم رکھا تو ملازمت کا جو معاوضہ ہے وہ والد کو ملا تو یہ زوجہ کا مہر کیسے بن گیا؟ اسکا جواب یہ ہے کہ اوّلاً تو یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بکریاں لڑکیوں ہی کی ملک ہوں اور یہ ملازمت کا فائدہ اس حیثیت سے خود لڑکی کو پہنچا۔ دوسرے اگر باپ ہی کا کام انجام دیا اور اس کی تنخواہ والد کے ذمہ لازم ہوئی تو یہ زرِ مہر لڑکی کا ہو گیا لڑکی کی اجازت سے والد کو بھی اسکا استعمال درست ہے یہاں ظاہر ہے کہ یہ معاملہ لڑکی کی اجازت سے ہوا ہے۔

مسئلہ لفظ اُنْكِحَكَ سے ثابت ہوا کہ نکاح کا معاملہ والد نے کیا ہے باجماع فقہاء ایسا ہی ہونا چاہئے کہ لڑکی کا ولی اُسکے نکاح کے معاملہ کی کفالت کرے لڑکی خود اپنا نکاح نہ کرے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی لڑکی نے خود اپنا نکاح کسی ضرورت و مجبوری سے کرلیا تو وہ منعقد ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور یہ آیت اسکے متعلق کوئی فیصلہ نہیں دیتی۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ

پھر جب پوری کر چکا موسیٰ وہ مدت اور لیکر چلا اپنے گھر والوں کو دیکھی کوہ طور کی طرف سے ایک

نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا

آگ کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تمہارے پاس وہاں

بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا

کی کچھ خبر یا انگارا آگ کا تاکہ تم تاپو پھر جب پہنچا اسکے

نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ

پاس آواز ہوئی میدان کے داہنے کنارے سے برکت والے تختہ میں ایک

الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٠﴾ وَاَنْ اَلْقِ

درخت سے کہ اے موسیٰ میں ہوں میں اللہ جہان کا رب اور یہ کہ ڈال دے

عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ

اپنی لاٹھی پھر جب دیکھا اس کو پھنپھناتے جیسے سانپ کی پتلی اُلٹا پھرا منہ موڑ کر اور نہ دیکھا پیچھے پھر کر

يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿٣١﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ

اے موسیٰ آگے آ اور مت ڈر تجھ کو کچھ خطرہ نہیں ڈال اپنا ہاتھ اپنے

فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ

گریبان میں نکل آئے سفید ہو کر نہ کہ کسی برائی سے اور ملالے اپنی طرف اپنا بازو ڈر سے

الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا

سو یہ دو سندیں ہیں تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اسکے سرداروں پر بیشک وہ تھے

قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ

لوگ نافرمان بولا اے رب میں نے خون کیا ہے اُن میں ایک جان کا سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو

يَّقْتُلُوْنِ ﴿٣٣﴾ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ

مار ڈالیں گے اور میرا بھائی ہارون اسکی زبان چلتی ہے مجھ سے زیادہ سو اس کو بھیج میرے ساتھ

رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿٣٤﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ

مدد کو کہ میری تصدیق کرے میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھوٹا کریں فرمایا ہم مضبوط کردیں گے تیرے بازو کو

بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚۛ بِاٰيٰتِنَآ ۚۛ

تیرے بھائی سے اور دیں گے تم کو غلبہ پھر وہ نہ پہنچ سکیں گے تم تک ہماری نشانیوں سے

اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿٣٥﴾

تم اور جو تمہارے ساتھ ہو غالب رہو گے

خُلاصۂ تفسیر

غرض جب موسیٰ (علیہ السلام) اس مدت کو پورا کر چکے اور (باجازت شعیب علیہ السلام کے) اپنی بی بی کو لے کر (مصر کو یا شام کو) روانہ ہوئے تو (ایک شب میں ایسا اتفاق ہوا کہ سردی بھی تھی اور راہ بھی بھول گئے اسوقت) ان کو کوہ طور کی طرف سے ایک (روشنی بشکل) آگ دکھلائی دی، اُنھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم (یہاں ہی) ٹھہرے رہو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں تمہارے پاس وہاں سے (رستہ کی) کچھ خبر لاؤں یا کوئی آگ کا (دہکتا ہوا) انگارا لے آؤں تاکہ تم سینک لو، سو وہ جب اس آگ کے پاس پہنچے تو ان کو اس میدان کے داہنی جانب سے (جو کہ موسیٰ علیہ السلام کی داہنی جانب تھی) اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں رب العالمین ہوں اور یہ (بھی آواز آئی) کہ تم اپنا عصا ڈال دو (چنانچہ انھوں نے ڈال دیا اور وہ سانپ بن کر چلنے لگا) سو انھوں نے جب اس کو لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا سانپ (تیز) ہوتا ہے تو پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (حکم ہوا کہ) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت (ہر طرح) امن میں ہو (اور یہ کوئی ڈر کی بات نہیں بلکہ تمہارا معجزہ ہے اور دوسرا معجزہ اور عنایت ہوتا ہے کہ) تم اپنا ہاتھ گریبان کے اندر ڈالو (اور پھر نکالو) وہ بلا کسی مرض کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا اور (اگر مثل انقلاب عصا کے اس معجزہ سے بھی طبعاً خوف اور حیرت پیدا ہو تو) خوف (رفع کرنے) کے واسطے اپنا (وہ) ہاتھ (پھر) اپنے گریبان اور بغل) سے (بدستور سابق) ملا لینا (تاکہ وہ پھر اصلی حالت پر ہو جائے اور پھر طبعی خوف بھی نہ ہوا کرے) سو یہ (تمہاری نبوت کی) دو سندیں (اور دلیلیں) ہیں تمہارے رب کیطرف سے فرعون اور اسکے سرداروں کے پاس جانے کے واسطے (جس کا تم کو حکم کیا جاتا ہے کیونکہ) وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں، انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب (میں جانے کے لئے حاضر ہوں مگر آپ کی خاص امداد کی ضرورت ہے کیونکہ) میں نے ان میں سے ایک آدمی کا خون کر دیا تھا سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ (کہیں پہلے ہی) وہ لوگ مجھ کو قتل کر دیں (تبلیغ بھی نہ ہونے پاوے)

اور (دوسری بات یہ ہے کہ زبان بھی زیادہ رواں نہیں ہے اور) میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے تو اُن کو بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ رسالت دیدیجئے کہ (وہ میری تقریر کی تائید اور) تصدیق (مفصّل اور مکمل طور سے) کریں گے (کیونکہ) مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ (فرعون اور اسکے درباری) میری تکذیب کریں (تو اسوقت مناظرہ کی ضرورت ہوگی اور زبانی مناظرہ کے لئے عادۃً وہ آدمی زیادہ مفید ہوتا ہے جو رواں زبان ہو) ارشاد ہوا کہ (بہتر ہے) ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہارا قوتِ بازو بنائے دیتے ہیں (ایک درخواست تو یہ منظور ہوئی) اور (دوسری درخواست کی منظوری اس طرح ہوئی کہ) ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت (و ہیبت) عطا کرتے ہیں جس سے ان لوگوں کو تم پر دسترس نہ ہوگی (پس ہمارے معجزے لیکر جاؤ تم دونوں اور جو تمہارا پیرو ہوگا اُن لوگوں پر) غالب رہوگے۔

معارف و مسائل

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ، یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدتِ معینہ ملازمت کی پوری کردی جو آٹھ سال لازمی اور دو سال اختیاری تھی سو یہاں سوال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے صرف آٹھ سال پورے کئے یا دس سال۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ انھوں نے زیادہ مدت یعنی دس سال پورے کئے کہ انبیاء علیہم السلام کی یہی شان ہے کہ جو کچھ کہتے ہیں اس کو پورا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی عادت شریفہ تھی کہ مقدار کو اُسکے حق سے زائد ادا فرماتے تھے اور اُمت کو اسی کی ہدایت فرمائی ہے کہ ملازمت، اُجرت اور خرید و فروخت میں مسامحت اور ایثار سے کام لیا جائے۔

نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ (الی) اِنِّيْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ، یہ مضمون بعضمن قصہ موسیٰ علیہ السلام سورۂ طٰہٰ اور سورۂ نمل میں گزرا ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے اِنِّيْ اَنَا رَبُّكَ اور سورۂ نمل میں ہے نُوْدِيَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یہ الفاظ اگرچہ مختلف ہیں مگر معنی تقریباً ایک ہی ہیں، واقعہ کی حکایت ہر مقام کے مناسب الفاظ سے کی گئی ہے (کذا قال الامام) اور یہ تجلی بشکلِ نار تجلی مثالی تھی کیونکہ تجلی ذاتی کا مشاہدہ اس دُنیا میں کسی کو نہیں ہوسکتا اور خود موسیٰ علیہ السلام کو اس تجلی ذاتی کے اعتبار سے لَنْ تَرٰىنِيْ فرمایا گیا ہے یعنی آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے مراد مشاہدۂ ذاتِ حق ہے۔

نیک عمل سے جگہ بھی متبرک ہوجاتی ہے

فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ، کوہِ طور کے اس مقام کو قرآن کریم نے بُقعہ مبارکہ فرمایا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اسکے مبارک ہونے کا سبب یہ تجلی خداوندی ہے جو اس مقام پر بشکلِ نار دکھائی دی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس مقام میں کوئی نیک عمل اہم واقع

ہوتا ہے وہ مقام بھی متبرک ہوجاتا ہے۔

وعظ میں اچھی خطابت اور فصاحت مطلوب ہے

هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا، اس سے معلوم ہوا کہ وعظ و تبلیغ میں فصاحتِ کلام اور مقبول طرزِ خطابت محمود اور مطلوب ہے۔ اسکی تحصیل میں کوشش بھی مذموم نہیں۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ
پھر جب پہنچا ان کے پاس موسیٰ لے کر ہماری نشانیاں کھلی ہوئی بولے اور کچھ نہیں یہ جادو ہے

مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ
باندھا ہوا اور ہم نے سُنا نہیں یہ اپنے اگلے باپ دادوں میں اور کہا

مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ
موسیٰ نے میرا رب تو خوب جانتا ہے جو کوئی لایا ہے ہدایت کی بات اُس کے پاس سے اور جس کو

تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ
ملے گا آخرت کا گھر بیشک بھلا نہ ہوگا بے انصافوں کا اور بولا

فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ
فرعون اے درباریو مجھ کو تو معلوم نہیں تمہارا کوئی حاکم ہو میرے سوا سو آگ دے اے

يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ
ہامان میرے واسطے گارے کو پھر بنا میرے واسطے ایک محل تاکہ میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ

مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ
کے رب کو اور میری اُٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے اور بڑائی کرنے لگے وہ اور

وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا
اس کے لشکر ملک میں ناحق اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف پھر کر نہ

يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ
آئیں گے پھر پکڑا ہم نے اسکو اور اسکے لشکروں کو پھر پھینک دیا ہم نے اُن کو دریا میں سو دیکھ

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ
کیسا ہوا انجام گنہگاروں کا اور کیا ہم نے ان کو پیشوا کہ بلاتے ہیں دوزخ

اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ
کی طرف اور قیامت کے دن ان کو مدد نہ ملے گی اور پیچھے رکھدی ہم نے ان پر اس

الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾
دُنیا میں پھٹکار اور قیامت کے دن اُن پر بُرائی ہے

خلاصۂ تفسیر

غرض جب ان لوگوں کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) ہماری صریح دلیلیں لے کر آئے تو ان لوگوں نے (معجزات دیکھ کر) کہا کہ یہ تو محض ایک جادو ہے کہ (خواہ مخواہ خدا تعالیٰ پر) افترا کیا جاتا ہے کہ یہ اس کی جانب سے معجزات اور دلیل رسالت ہیں) اور ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی کہ ہمارے اگلے باپ دادوں کے وقت میں بھی ہوئی ہو اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (اسکے جواب میں) فرمایا کہ (جب باوجود دلائل صحیحہ قائم ہونے کے اور اسمیں کوئی شبہ معقول نہ نکال سکنے کے بعد بھی نہیں مانتے تو یہ ہٹ دھرمی ہے اور اسکا اخیر جواب یہی ہے کہ) میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو صحیح دین اسکے پاس سے لے کر آیا ہے اور جسکا انجام (یعنی خاتمہ) اس عالم (دُنیا) سے اچھا ہونے والا ہے (اور) بالیقین ظالم لوگ (جو کہ ہدایت اور دین صحیح پر نہ ہوں) کبھی فلاح نہ پاویں گے (کیونکہ ان کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ مطلب یہ کہ خدا کو خوب معلوم ہے کہ ہم میں اور تم میں کون اہل ہدیٰ ہے اور کون ظالم اور کون محمود العاقبت ہے اور کون محروم عن الفلاح پس ہر ایک کی حالت اور ثمرہ کا جلد ہی مرنے کے ساتھ ہی ظہور ہو جاوے گا اب نہیں مانتے تم جانو) اور (دلائل موسویہ دیکھ کر اور سُن کر) فرعون (کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ہمارے معتقدین ان کی طرف مائل نہ ہو جاویں تو لوگوں کو جمع کر کے) کہنے لگا اے اہل دربار مجھ کو تو تمھارا اپنے سوا کوئی خدا معلوم نہیں ہوتا (اسکے بعد تلبیس کے واسطے اپنے وزیر سے کہا کہ اگر اس سے ان لوگوں کا اطمینان نہ ہو تو) اے ہامان تم ہمارے لئے مٹی (کی اینٹیں بنوا کر اُن) کو آگ میں پزاوہ لگا کر پکواؤ پھر (ان پختہ اینٹوں سے) میرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ تاکہ (میں اس پر چڑھ کر) موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں اور میں تو (اس دعویٰ میں کہ کوئی اور خدا ہے) موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور فرعون اور اسکے تابعین نے ناحق دُنیا میں سر اُٹھا رکھا تھا اور یُوں سمجھ رہے تھے کہ انکو ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں ہے تو ہم نے (اس تکبر کی سزا میں) اس کو اور اسکے تابعین کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا (یعنی غرق کر دیا) سو دیکھئے ظالموں کا انجام کیسا ہوا (اور موسیٰ علیہ السلام کے قول کا ظہور ہو گیا مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ) اور ہم نے ان لوگوں کو ایسا رئیس بنایا تھا جو (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے رہے اور (اسی واسطے) قیامت کے روز (ایسے بے کس رہ جاویں گے کہ) انکا کوئی ساتھ نہ دے گا اور (یہ لوگ دونوں عالم میں خاسر ہوئے چنانچہ) دنیا میں بھی ہم نے انکے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بھی بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔

معارف و مسائل

فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ، فرعون نے بہت اونچا بلند محل تیار کرنے کا ارادہ کیا

تو اپنے وزیر ہامان کو اسکی تیاری کے لئے پہلے یہ حکم دیا کہ مٹی کی اینٹوں کو پکا کر پختہ کیا جائے کیونکہ کچی اینٹوں پر کوئی بڑی اور اونچی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ فرعون کے اس واقعہ سے پہلے پختہ اینٹوں کی تعمیر کا رواج نہ تھا سب سے پہلے فرعون نے یہ ایجاد کرائی۔ تاریخی روایات میں ہے کہ ہامان نے اس محل کی تعمیر کیلئے پچاس ہزار معمار جمع کئے مزدور اور لکڑی لوہے کا کام کرنے والے انکے علاوہ تھے اور محل کو اتنا اُونچا بنایا کہ اُس زمانے میں اس سے زیادہ بلند کوئی تعمیر نہیں تھی۔ پھر جب یہ تیاری مکمل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا، اُنھوں نے ایک ضرب میں اس محل کے تین ٹکڑے کر کے گرا دیا جس میں فرعونی فوج کے ہزاروں آدمی دب کر مر گئے (قرطبی)

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ، یعنی فرعون کے درباریوں کو اللہ تعالیٰ نے انکی قوم کا پیشوا بنا دیا تھا مگر یہ غلط کار پیشوا اپنی قوم کو آگ یعنی جہنم کی طرف دعوت دے رہے تھے یہاں اکثر مفسرین نے آگ کیطرف دعوت دینے کو ایک استعارہ اور مجاز قرار دیا ہے کہ مراد آگ سے وہ اعمال کفریہ ہیں جنکا نتیجہ جہنم کی آگ میں جانا تھا مگر اُستاذِ محترم نادرۂ روزگار حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کی تحقیق تبعاً لابن عربی یہ تھی کہ آخرت کی جزا عین عمل ہے۔ انسان کے اعمال جو وہ دُنیا میں کرتا ہے برزخ پھر محشر میں اپنی شکلیں بدلیں گے اور جوہری صورتوں میں نیک اعمال گل و گلزار بن کر جنت کی نعمتیں بن جائیں گے اور اعمال کفر و ظلم آگ اور سانپ بچھوؤں اور طرح طرح کے عذابوں کی شکل اختیار کریں گے اسلئے جو شخص اس دُنیا میں کسی کو کفر و ظلم کیطرف بلا رہا ہے وہ حقیقۃً اس کو آگ ہی کیطرف بلا رہا ہے۔ اگرچہ اس دُنیا میں اسکی شکل آگ کی نہیں مگر حقیقت اسکی آگ ہی ہے۔ اسی طرح آیت میں کوئی مجاز یا استعارہ نہیں، اپنی حقیقت پر محمول ہے۔ یہ تحقیق اختیار کیجائے تو قرآن کی بے شمار آیات میں مجاز و استعارہ کا تکلف نہیں کرنا پڑے گا۔ مثلاً وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا اور فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وغیرہ

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ، مَقْبُوْحِيْنَ، مقبوح کی جمع ہے جس کے معنے ہیں بگاڑا ہوا۔ مُراد یہ ہے کہ قیامت کے روز انکے چہرے مسخ ہو کر سیاہ اور آنکھیں نیلی ہو جائیں گی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى
اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب بعد اس کے کہ ہم غارت کر چکے پہلی جماعتوں کو

بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا
سمجھانے والی لوگوں کو اور راہ بتانے والی اور رحمت تاکہ وہ یاد رکھیں اور تو نہ

كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ
تھا غربی کی طرف جب ہم نے بھیجا موسیٰ کو حکم اور نہ تھا

مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ

تو دیکھنے والا لیکن ہم نے پیدا کیں کئی جماعتیں پھر دراز ہوئی اُن پر مدت

وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَلٰكِنَّا

اور تو نہ رہتا تھا مدین والوں میں کہ اُن کو سُناتا ہماری آیتیں پر ہم ہے ہیں

كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ

رسُول بھیجتے اور تو نہ تھا طُور کے کنارے جب ہم نے آواز دی لیکن

رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ

یہ انعام ہے تیرے رب کا تاکہ تو ڈر سُنا دے اُن لوگوں کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈر سُنانے والا تجھ سے پہلے

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا

تاکہ وہ یاد رکھیں اور اتنی بات کے لئے کہ کبھی آن پڑے اُن پر آفت اُن

قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ

کاموں کی وجہ سے جن کو بھیج چکے ہیں اپنے ہاتھ تو کہنے لگیں اے رب ہمارے کیوں نہ بھیجا ہمارے پاس کسی کو پیغام دے کر

اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ

تو ہم چلتے تیری باتوں پر اور ہوتے ایمان والوں میں پھر جب پہنچی اُن کو ٹھیک بات ہمارے

عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ۭ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا

پاس سے کہنے لگے کیوں نہ ملا اس رسُول کو جیسا ملا تھا موسیٰ کو کیا ابھی منکر نہیں ہو چکے

بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۡ وَقَالُوْٓا

اس سے جو موسیٰ کو ملا تھا اس سے پہلے کہنے لگے دونوں جادو ہیں آپس میں موافق اور کہنے لگے

اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى

ہم دونوں کو نہیں مانتے تو کہہ اب تم لاؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس کی جو ان دونوں سے

مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ

بہتر ہو کہ میں اس پر چلوں، اگر تم سچے ہو پھر اگر نہ کر لائیں تیرا کہا

فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَاۗءَهُمْ ۭ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ

تو جان لے کہ وہ چلتے ہیں نری اپنی خواہشوں پر اور اس سے گمراہ زیادہ کون جو چلے اپنی خواہش پر بدون

هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ

راہ بتلائے اللہ کے بیشک اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو اور ہم پے در پے

وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾

بھیجتے رہے ہیں اُن کو اپنے کلام تاکہ وہ دھیان میں لائیں

خلاصۂ تفسیر

اور (رسالت کا سلسلہ خلق کے محتاج اصلاح ہونے کے سبب ہمیشہ سے چلا آیا ہے چنانچہ) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو (جن کا قصہ ابھی پڑھ چکے ہو) اگلی اُمتوں (یعنی قوم نوح و عاد و ثمود) کے ہلاک کرنے کے پیچھے (جبکہ ان زمانوں کے انبیاء کی تعلیمات نایاب ہو گئی تھیں اور لوگ ہدایت کے سخت حاجتمند تھے) کتاب (یعنی تورات) دی تھی جو لوگوں کے (یعنی بنی اسرائیل کے) لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ (اس سے) نصیحت حاصل کریں (طالب حق کی اوّل فہم درست ہوتی ہے یہ بصیرت ہے، پھر احکام قبول کرتا ہے یہ ہدایت ہے، پھر ہدایت کا ثمرہ یعنی قرب و قبول عنایت ہوتا ہے یہ رحمت ہے) اور (اسی طرح جب یہ دور بھی ختم ہو چکا اور لوگ پھر محتاج تجدید ہدایت ہوئے تو اپنی سُنّتِ مستمرہ کے موافق ہمنے آپ کو رسُول بنایا جس کے دلائل میں سے ایک یہی واقعہ موسویہ کی یقینی خبر دینا ہے کیونکہ قطعی خبر دینے کے لئے کوئی طریق علم کا ضروری ہے اور وہ طریق منحصر ہے چار میں، اُمورِ عقلیہ میں عقل، سو یہ واقعہ اُمورِ عقلیہ میں سے تو ہے نہیں، اور اُمورِ نقلیہ میں یا سماع اہلِ علم سے جو کہ دوسرا طریق ہے سو یہ بھی بوجہ عدم مخالطت و عدم مدارست اہلِ اخبار کے منتفی ہے اور یا اپنا مشاہدہ جو کہ تیسرا طریق ہے سو اس کی نفی نہایت ہی اظہر ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ) آپ (طُور کے) مغربی جانب میں موجود نہ تھے جبکہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو احکام دیئے تھے (یعنی تورات دی تھی) اور (وہاں خاص تو کیا موجود ہوتے) آپ (تو) ان لوگوں میں سے (بھی) نہ تھے جو (اس زمانہ میں) موجود تھے (پس احتمال مشاہدہ کا بھی نہ رہا) ولیکن (بات یہ کہ) ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کے بعد) بہت سی نسلیں پیدا کیں پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا (جس سے پھر علوم صحیحہ نایاب ہو گئے اور پھر لوگ محتاجِ ہدایت ہوئے اور گو درمیان درمیان انبیاء علیہم السلام آیا کئے مگر ان کے علوم بھی اس طرح نایاب ہوئے اسلئے ہماری رحمت مقتضی ہوئی کہ ہم نے آپ کو وحی و رسالت سے مشرف فرمایا جو کہ چوتھا طریق ہے خبر یقینی کا اور دوسرے طُرق علم ظنی کے ہیں جو بحث ہی سے خارج ہے کیونکہ آپ کی یہ خبریں بالکل یقینی اور قطعی ہیں حاصل یہ کہ علم یقینی کے چار طریقے ہیں اور تین منتفی پس چوتھا متعین اور یہی مطلوب ہے) اور (جیسے آپ نے عطار تورات کا مشاہدہ نہیں کیا اور صحیح و یقینی خبر دے رہے ہیں اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے قیام مدین کا مشاہدہ نہیں فرمایا چنانچہ ظاہر ہے کہ) آپ اہلِ مدین میں بھی قیام پذیر نہ تھے کہ آپ (وہاں کے حالات دیکھ کر ان حالات کے متعلق) ہماری آیتیں (اپنے) ان (معاصر) لوگوں کو پڑھ کر سُنا رہے ہوں ولیکن ہم ہی (آپ کو) رسول بنانے والے ہیں (کہ رسول بنا کر یہ واقعات وحی سے بتلا دیئے) اور (اسی طرح

آپ طور کی جانب (غربی مذکور) میں اسوقت بھی موجود نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کو) پکارا تھا کہ "یٰمُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ" جو کہ ان کو نبوت عطا ہونے کا وقت تھا) ولیکن (اسکا علم بھی اسی طرح حاصل ہوا کہ) آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنائے گئے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا (نبی) نہیں آیا، کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول کرلیں (کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین بلکہ انکے آباؤ اقربین نے بھی کسی نبی کو نہیں دیکھا تھا گو بعض شرائع بالخصوص توحید بواسطہ ان تک بھی پہنچی تھی پس وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا سے تعارض نہ رہا) اور (اگر یہ لوگ ذرا تامل کریں تو سمجھ سکتے ہیں کہ پیغمبر بھیجنے سے ہمارا کوئی فائدہ نہیں بلکہ ان ہی لوگوں کا فائدہ ہے کہ یہ لوگ حسن و قبح پر مطلع ہو کر عقوبت سے بچ سکتے ہیں ورنہ جن امور کا قبح عقل سے دریافت ہوسکتا ہے اس پر عذاب بلا ارسالِ رسول بھی ہونا ممکن تھا لیکن اسوقت انکو ایک گونہ حسرت ہوتی کہ ہائے اگر رسول آجاتا تو ہمکو زیادہ تنبہ ہوجاتا اور اس مصیبت میں نہ پڑتے اسلئے رسول بھی بھیجدیا تاکہ اس حسرت سے بچنا ان کو آسان ہو ورنہ احتمال تھا کہ) ہم رسول نہ بھی بھیجتے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان پر ان کے کرداروں کے سبب (جو عقلاً قبیح ہیں) کوئی مصیبت (دنیا یا آخرت میں) نازل ہوتی (جس کی نسبت ان کو عقل کے یا فرشتے کے ذریعہ سے یقین ہوجاتا کہ یہ سزائے اعمال ہے) تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم آپکے احکام کا اتباع کرتے اور (ان احکام اور رسول پر) ایمان لانے والوں میں سے ہوتے سو (اس امر کا مقتضا تو یہ تھا کہ رسول کے آنے کو غنیمت سمجھتے اور اسکے دین حق کو قبول کرتے لیکن ان کی یہ حالت ہوئی کہ) جب ہماری طرف سے ان لوگوں کے پاس امر حق (یعنی رسول حق اور دین حق) پہنچا تو (اس میں شبہ نکالنے کے لئے یوں) کہنے لگے کہ ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ (علیہ السلام) کو ملی تھی (یعنی قرآن واحدۃً مثل توراۃ کے کیوں نہ نازل ہوا، آگے جواب ہے کہ) کیا جو کتاب موسیٰ (علیہ السلام) کو ملی تھی اسکے قبل یہ لوگ اسکے منکر نہیں ہوئے (چنانچہ ظاہر ہے کہ مشرکین موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ کو بھی نہ مانتے تھے کیونکہ وہ سرے سے اصل نبوت ہی کے منکر تھے) یہ لوگ تو (قرآن اور توراۃ دونوں کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے موافق ہیں (یہ اسلئے کہا کہ اصول شرائع میں دونوں متفق ہیں) اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم تو دونوں میں کسی کو نہیں مانتے (خواہ یہی عبارت ان کا مقولہ ہو اور خواہ انکے اقوال سے لازم آتا ہو اور خواہ ایک ہی ساتھ دونوں کا انکار کیا ہو یا مختلف قول جمع کئے گئے ہوں تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس شبہ کا منشار قصد ایمان بالقرآن بصورت تماثل توراۃ کے نہیں بلکہ یہ بھی ایک حیلہ اور شرارت ہے آگے اس کا جواب ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہدیجئے کہ اچھا تو (علاوہ توراۃ و قرآن کے) تم کوئی اور کتاب اللہ

کے پاس سے لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں سے بہتر ہو میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا، اگر تم (اس دعوے میں) سچے ہو (کہ سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا، جس سے مقصود ان دونوں کتابوں کا نعوذ باللہ مفتری اور غلط ہونا ہے۔ یعنی مقصود تو اتباع حق کا ہے پس اگر کتب الٰہیہ کو حق مانتے ہو تو ان کی پیروی کرو، قرآن کی تو مطلقاً اور توراۃ کی توحید و بشاراتِ محمدیہ میں اور اگر ان کو حق نہیں مانتے تو تم کوئی حق پیش کرو اور اسکا حق ہونا ثابت کردو جس کو ہادی ہونے سے اسلئے تعبیر کیا گیا ہے کہ مقصود حق سے اسکا وسیلۂ ہدایت ہونا ہے۔ اگر فرضاً ثابت کردوگے تو میں اسکی پیروی کرلوں گا، غرض یہ کہ میں حق ثابت کردوں تو تم اسکا اتباع کرو، اور اگر تم حق ثابت کردو تو میں اتباع کے لئے آمادہ ہوں اور چونکہ قضیہ شرطیہ میں محض حکم اتصال کا ہوتا ہے اسلئے اتباع غیر کتب الٰہیہ کا اشکال لازم نہیں آتا) پھر (اس احتجاج کے بعد) اگر یہ لوگ آپ کا (یہ) کہنا (کہ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ الخ) نہ کرسکیں (اور ظاہر ہے کہ نہ کرسکیں گے کقولہ تعالیٰ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا اور پھر بھی آپ کا اتباع نہ کریں) تو آپ سمجھ لیجئے کہ (ان سوالات کا منشار کوئی اشتباہ و تردد و حق جوئی نہیں ہے بلکہ) یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں (ان کا نفس کہتا ہے کہ جس طرح بن پڑے انکار ہی کرنا چاہیے، پس یہ ایسا ہی کر رہے ہیں گو حق بھی واضح ہوجاوے) اور ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو بدون اسکے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل (اسکے پاس) ہو (اور) اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو (جو کہ وضوح حق کے بعد بدون کسی متمسک صحیح کے بھی اپنی گمراہی سے باز نہ آدے) ہدایت نہیں کیا کرتا (جسکا سبب اس شخص کا خود قصد کرنا ہے اپنے گمراہ رہنے کا اور قصد کے بعد خلق فعل عادت ہے اللہ تعالیٰ کی اسلئے ایسا شخص ہمیشہ گمراہ رہتا ہے، یہاں تک تو جواب الزامی تھا انکے اس قول کا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى) اور (آگے تحقیقی جواب ہے جس میں قرآن کے دفعۃً واحدۃً نازل نہ ہونے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ) ہم نے اس کلام (یعنی قرآن) کو ان لوگوں کیلئے وقتاً فوقتاً یکے بعد دیگرے بھیجا تاکہ یہ لوگ (بار بار تازہ بتازہ سننے سے) نصیحت مانیں (یعنی ہم تو دفعۃً واحدۃً بھیجنے پر بھی قادر ہیں مگر ان ہی کی مصلحت سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں پھر اندھیر ہے کہ اپنی ہی مصلحت کی مخالفت کرتے ہیں)۔

معارف و مسائل

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَاۗىِٕرَ لِلنَّاسِ،

قرونِ اُولیٰ سے اقوام نوح و ہود و صالح و لوط علیہم السلام مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اپنی سرکشی کیوجہ سے ہلاک کی گئی تھیں، اور بصائر بصیرت کی جمع ہے جس کے لفظی معنے تو دانش و

بینش کے ہیں۔ مُراد اس سے وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ انسانوں کے قلوب میں پیدا فرماتے ہیں جن سے وہ حقائقِ اشیاء کو دیکھ سکیں اور حق و باطل کا امتیاز کرسکیں۔ (مظہری)

بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ میں اگر لفظ ناس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمّت ہے تو بات صاف ہے کہ اُس اُمّت کے لئے کتاب توراۃ ہی مجموعۂ بصائر تھی۔ اور اگر لفظ ناس سے تمام انسان مراد ہیں جن میں اُمّتِ محمدیہ بھی داخل ہے تو یہاں سوال یہ پیدا ہوگا کہ اُمّتِ محمدیہ کے زمانے میں جو تورات موجود ہے وہ تحریفات کے ذریعہ مسخ ہوچکی ہے تو ان کے لئے اسکا بصائر کہنا کیسے درست ہوگا، اور یہ کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ مسلمانوں کو بھی تورات سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے حالانکہ حدیث میں یہ واقعہ معروف ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی اجازت طلب کی کہ وہ تورات میں جو نصائح وغیرہ ہیں انکو پڑھیں تاکہ انکے علم میں ترقی ہو، اس پر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ اگر اسوقت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرا ہی اتباع لازم ہوتا (جسکا حاصل یہ ہوتا ہے کہ آپ کو صرف میری تعلیمات کو دیکھنا چاہیئے، تورات و انجیل کا دیکھنا آپکے لئے درست نہیں) مگر اسکے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تورات کا جو اسوقت اہلِ کتاب کے پاس نسخہ تھا وہ تحریف شدہ تھا اور زمانہ ابتداءِ اسلام کا تھا جس میں نزولِ قرآن کا سلسلہ جاری تھا، اسوقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی مکمل حفاظت کے پیشِ نظر اپنی احادیث لکھنے سے بھی بعض حضرات کو روک دیا تھا کہ ایسا نہ ہو لوگ قرآن کے ساتھ احادیث کو جوڑ دیں، ان حالات میں کسی دوسری منسوخ شدہ آسمانی کتاب کا پڑھنا پڑھانا ظاہر ہے کہ احتیاط کے خلاف تھا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقاً تورات و انجیل کے مطالعے اور پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ان کتابوں کے وہ حصّے جو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشین گوئیوں پر مشتمل ہیں انکا مطالعہ کرنا اور نقل کرنا صحابۂ کرام سے ثابت اور معروف و مشہور ہے حضرت عبداللہ بن سلام اور کعب احبار اس معاملہ میں سب سے زیادہ معروف ہیں، دوسرے صحابۂ کرام نے بھی ان پر نکیر نہیں کیا۔ اسلئے حاصل آیت کا یہ ہوجائے گا کہ تورات و انجیل میں جو غیر محرف مضامین اب بھی موجود ہیں اور بلاشبہ بصائر ہیں، ان سے استفادہ درست ہے مگر ظاہر ہے کہ ان سے استفادہ صرف ایسے ہی لوگ کرسکتے ہیں جو محرّف اور غیر محرّف میں فرق کرسکیں اور صحیح و غلط کو پہچان سکیں وہ علماء ماہرین ہی ہوسکتے ہیں، عوام کو بے شک اس سے اجتناب اسلئے ضروری ہے کہ وہ کسی مغالطے میں نہ پڑجائیں، یہی حکم اُن تمام کتابوں کا ہے جسمیں حق کے ساتھ باطل کی آمیزش ہے کہ عوام کو انکے مطالعہ سے پرہیز کرنا چاہیئے علماء ماہرین دیکھیں تو مضائقہ نہیں۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ، یہاں اس قوم سے عرب مُراد ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہیں اور انکے بعد سے خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک انہیں کوئی پیغمبر

مبعوث نہ ہوا تھا یہی مضمون سورۂ یٰسٓ میں بھی آنے والا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسری جگہ قرآن کریم کا یہ ارشاد کہ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ، کہ کوئی امت ایسی نہیں جس میں اللہ کا کوئی پیغمبر نہ آیا ہو، اس آیت کے منافی نہیں کیونکہ مراد اس آیت کی یہ ہے کہ زمانہ دراز سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد انمیں کوئی نبی نہیں آیا مگر نبی و رسول کے آنے سے بالکل خالی یہ اُمّت بھی نہیں رہی۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ، وصّلنا، توصیل سے مشتق ہے جس کے اصلی لغوی معنے رسّی کے تاروں میں اور تار ملاکر اسکے مضبوط کرنے کے ہیں مُراد یہ ہے کہ قرآن حکیم میں حق تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کا سلسلہ یکے بعد دیگرے جاری رکھا اور بہت سے نصیحت کے مضامین کا بار بار تکرار بھی کیا گیا تاکہ سُننے والے متاثر ہوں۔

تبلیغ و دعوت کے بعض آداب اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا اہم پہلو یہ تھا کہ وہ حق بات کو مُسلسل کہتے اور پہنچاتے ہی رہتے تھے۔ لوگوں کا انکار و تکذیب اُن کے اپنے عمل اور اپنی لگن میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا تھا بلکہ وہ حق کو اگر ایک مرتبہ نہ مانا گیا تو دوسری مرتبہ، پھر بھی نہ مانا گیا تو تیسری چوتھی مرتبہ برابر پیش کرتے ہی رہتے تھے۔ کسی کے دل میں ڈال دینا تو کسی ناصح ہمدرد کے بس میں نہیں مگر اپنی کوشش کو بغیر کسی تکان اور اکتاہٹ کے جاری رکھنا جو ان کے قبضہ میں تھا اسکو مُسلسل انجام دیتے۔ آج بھی تبلیغ و دعوت کے کام کرنے والوں کو اس سے سبق لینا چاہیئے۔

الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى

جن کو ہم نے دی ہے کتاب اس سے پہلے وہ اس پر یقین کرتے ہیں اور جب اُن کو

عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ

سُنائے تو کہیں ہم یقین لائے اس پر یہی ہے ٹھیک ہمارے رب کا بھیجا ہوا ہم ہیں اس سے پہلے

مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ

کے حکمبردار وہ لوگ پائیں گے اپنا ثواب دوہرا اس بات پر کہ قائم رہے اور

يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا

بھلائی کرتے ہیں برائی کے جواب میں اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں اور جب

سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ

سُنیں نکمّی باتیں اس سے کنارہ کریں اور کہیں ہم کو ہمارے کام اور تم کو تمہارے کام

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾

سلامت رہو ہم کو نہیں چاہئیں بے سمجھ لوگ

خُلاصۂ تفسیر

(اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت اُن بشارتوں سے بھی ثابت ہے جن کی اُن علماء نے تصدیق کی ہے جن کو تورات و انجیل میں ان بشارتوں کا علم ہے۔ چنانچہ) جن لوگوں کو ہمنے قرآن سے پہلے (آسمانی) کتابیں دی ہیں (اُن میں جو منصف ہیں) وہ اُس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب قرآن اُن کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے بے شک یہ حق ہے (جو) ہمارے رب کی طرف سے (نازل ہوا ہے اور) ہم تو اس (کے آنے) سے پہلے بھی (اپنی کتابوں کی بشارتوں کی بناء پر) مانتے تھے (اب نزول کے بعد تجدید عہد کرتے ہیں۔ یعنی ہم ان لوگوں کی طرح نہیں جو نزولِ قرآن سے پہلے تو اسکی تصدیق کرتے تھے بلکہ اسکے آنے کے منتظر اور شائق تھے مگر جب قرآن آیا تو اسکے منکر ہوگئے (فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ) اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ تورات و انجیل کی بشارتوں کے مصداق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی تھے جیسا کہ سورۂ شعراء کے آخر میں فرمایا ہے اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۔ یہاں تک رسالتِ محمدیہ پر علماءِ بنی اسرائیل کی شہادت کا بیان ہوا آگے مؤمنین اہل کتاب کی فضیلت کا بیان ہے کہ) اُن لوگوں کو اُن کی پختگی کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا (کیونکہ وہ پہلی کتاب پر ایمان رکھنے کے ضمن میں بھی قرآن پر ایمان رکھتے تھے اور بعد نزول کے بھی اس پر قائم رہے اور اس کی تجدید کی، یہ تو انکے اعتقاد اور جزاء کا بیان تھا آگے اعمال و اخلاق کا ذکر ہے کہ) اور وہ لوگ نیکی (اور تحمل) سے بدی (اور ایذاء) کا دفعیہ کردیتے ہیں اور ہمنے جو کچھ اُن کو دیا ہے اُس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور (جس طرح یہ لوگ عملی ایذاؤں پر صبر کرتے ہیں اسی طرح) جب کسی سے (اپنے متعلق) کوئی لغو بات سنتے ہیں (جو قولی ایذاء ہے) تو اس کو (بھی) ٹال جاتے ہیں اور (سلامت روی کے طور پر) کہدیتے ہیں کہ (ہم کچھ جواب نہیں دیتے) ہمارا عمل ہمارے سامنے آئے گا اور تمہارا عمل تمہارے سامنے (بھائی) ہم تو تم کو سلام کرتے ہیں (ہم کو جھگڑے سے معاف رکھو) ہم بے سمجھ لوگوں سے اُلجھنا نہیں چاہتے۔

معارف و مسائل

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ، اس آیت میں اُن اہل کتاب کا ذکر ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت اور نزولِ قرآن سے پہلے ہی تورات و انجیل کی دی ہوئی بشارتوں کی بناء پر نزولِ قرآن اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر یقین رکھتے تھے۔ پھر آپ مبعوث ہوئے تو اپنے سابق یقین کی بناء پر ایمان لے آئے۔ حضرت ابن عباس کی روایت

کہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے درباریوں میں سے چالیس آدمی مدینہ طیبہ میں اسوقت حاضر ہوئے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر میں مشغول تھے یہ لوگ بھی جہاد میں شریک ہوگئے، بعض کو کچھ زخم بھی لگے مگر ان میں سے کوئی مقتول نہیں ہوا۔ انھوں نے جب صحابۂ کرام کی معاشی تنگی کا حال دیکھا تو آپ سے درخواست کی کہ ہم اللہ کے فضل سے مالدار اصحابِ جائداد ہیں ہم اپنے ملک واپس جاکر صحابۂ کرام کے لئے مال فراہم کرکے لائیں آپ اجازت دے دیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ (الی قولہ) وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (اخرجہ ابن مردویہ والطبرانی فی الاوسط۔ مظہری) اور حضرت سعید بن جبیرؓ کی روایت ہے کہ حضرت جعفرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب ہجرتِ مدینہ سے پہلے حبشہ گئے تھے اور نجاشی کے دربار میں اسلام کی تعلیمات پیش کیں تو نجاشی اور اسکے اہلِ دربار جو اہلِ کتاب تھے اور تورات و انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور علامتیں دیکھے ہوئے تھے ان کے دلوں میں اسی وقت اللہ نے ایمان ڈالدیا (مظہری)

لفظ مسلمین اُمتِ محمدیہ کا مخصوص لقب ہے یا تمام اُمتوں کے لئے عام ہے

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ، یعنی ان حضرات اہلِ کتاب نے کہا کہ ہم تو قرآن کے نازل ہونے سے پہلے ہی مسلمان تھے یہاں لفظ مسلم اگر اپنے لغوی معنے میں لیا جائے یعنی مطیع و فرمانبردار تو بات صاف ہے کہ ان کو جو یقین قرآن اور نبی آخرالزماں پر اپنی کتابوں کی وجہ سے حاصل تھا اس یقین کو لفظ اسلام اور مسلمین سے تعبیر فرمایا کہ ہم تو پہلے ہی سے اس کو مانتے تھے۔ اور اگر لفظ مسلمین اس جگہ اُس معنے میں لیا جائے جس کے لحاظ سے اُمتِ محمدیہ کا لقب مسلمین ہے تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ اسلام اور مسلمین کا لفظ صرف اُمتِ محمدیہ کے لئے مخصوص نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا اور وہ سب مسلمین ہی تھے مگر قرآن کریم کی بعض آیات سے اسلام اور مسلمین کا اس اُمت کے لئے مخصوص لقب ہونا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول خود قرآن نے نقل کیا ہے هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ، اور علامہ سیوطی اسی خصوصیت کے قائل ہیں اور اس مضمون پر اُن کا ایک مستقل رسالہ ہے انکے نزدیک اس آیت میں مسلمین سے مراد یہ ہے کہ ہم تو پہلے ہی سے اسلام کو قبول کرنے کے لئے آمادہ اور تیار تھے۔ اور اگر غور کیا جائے تو ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں کہ اسلام تمام انبیاء علیہم السلام کے دین کا مشترک نام بھی ہو اور اس اُمت کے لئے مخصوص لقب بھی۔ کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ اسلام اپنے معنی وصفی کے اعتبار سے سب میں مشترک ہو مگر مسلم کا لقب صرف اس اُمت کے لئے مخصوص ہو جیسے صدیق اور فاروق وغیرہ کے القاب ہیں جنکا مصداقِ خاص اس اُمت میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں، حالانکہ اپنے معنے وصفی کے اعتبار سے دوسرے حضرات بھی صدیق اور فاروق ہوسکتے ہیں

(ہذا ما سنح لی واللہ اعلم)

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ، یعنی مؤمنین اہل کتاب کو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا۔ قرآن کریم میں اسی طرح کا وعدہ ازواج مطہرات کے متعلق بھی آیا ہے وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ، اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں تین شخصوں کے لئے دوہرے اجر کا ذکر فرمایا ہے ایک وہ اہل کتاب جو پہلے اپنے سابق نبی پر ایمان لایا، پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر، دوسرا وہ شخص جو کسی کا مملوک غلام ہو اور وہ اپنے آقا کی بھی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہو اور اللہ اور اسکے رسول کی بھی، تیسرا وہ شخص جس کی ملک میں کوئی کنیز تھی جس سے بلا نکاح صحبت اسکے لئے حلال تھی اس نے اس کو اپنی غلامی سے آزاد کر دیا پھر اس کو منکوحہ زوجہ بنا لیا۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ ان چند قسموں کو دو مرتبہ اجر دینے کی علت کیا ہے اگر کہا جائے کہ ان دونوں کے دو عمل اس دوہرے اجر کا سبب ہیں کیونکہ مؤمنین اہل کتاب کے دو عمل یہ ہیں کہ پہلے ایک نبی اور اس کی کتاب پر ایمان لائے پھر دوسرے نبی اور اس کی کتاب پر اور ازواج مطہرات کے دو عمل یہ ہیں کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت بحیثیت رسول بھی کرتی ہیں اور بحیثیت شوہر بھی، اور مملوک غلام کے دو عمل اسکی دوہری اطاعت و فرمانبرداری ہے، اللہ و رسول کی بھی اور آقا کی بھی، اور کنیز کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرنے والے کا ایک عمل صالح اسکو آزاد کرنا دوسرا اسکو منکوحہ زوجہ بنا لینا ہے۔ مگر اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو عمل کے دو اجر ہونا تو مقتضائے عدل و انصاف ہونے کی وجہ سے سب کے لئے عام ہے اسمیں مؤمنین اہل کتاب یا ازواج مطہرات وغیرہ کی کیا خصوصیت ہے جو شخص بھی دو عمل کرے گا دو اجر پائے گا؟ اس سوال کے جواب کی مکمل تحقیق احقر نے احکام القرآن سورۂ قصص میں لکھی ہے اسمیں جو بات خود الفاظ قرآن کی دلالت سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان تمام اقسام میں مراد صرف دو اجر نہیں، کیونکہ وہ تو ہر عمل کرنے والے کے لئے عام ضابطہ قرآنیہ ہے لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ، یعنی اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا بلکہ وہ جتنے نیک عمل کرے گا اُسی کے حساب سے اجر پائے گا۔ بلکہ ان اقسام مذکورہ میں دو اجر سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کو ان کے ہر عمل کا دوہرا ثواب ملے گا۔ ہر نماز پر اسکا دوہرا، ہر روزہ پر اسکا دوہرا، ہر صدقہ اور حج و عمرہ پر اسکا دوہرا ثواب پاویں گے۔ قرآن کے الفاظ پر غور کریں تو دو اجر دینے کے لئے مختصر لفظ اجرین کا تھا مگر قرآن نے اسکو چھوڑ کر اجر مرتین کا لفظ اختیار کیا جس میں صاف اشارہ اسکا پایا جاتا ہے کہ اجر مرتین سے مراد یہ ہے کہ ان کا ہر عمل مکرر لکھا جائیگا اور ہر عمل پر دوہرا ثواب ملے گا۔

رہا یہ معاملہ کہ ان کی اتنی بڑی فضیلت اور خصوصیت کا سبب کیا ہے تو اس کا

واضح جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ کسی خاص عمل کو دوسرے اعمال سے افضل قرار دیدے اور اسکا اجر بڑھا دے، کسی کو اس سوال کا حق نہیں ہے کہ روزہ کا ثواب اللہ تعالیٰ نے اتنا زیادہ کیوں کر دیا، زکوٰۃ و صدقہ کا کیوں ایسا نہ کیا؟ ہو سکتا ہے کہ یہ اعمال جنکا ذکر آیات مذکورہ اور حدیث بخاری میں ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا درجہ دوسرے اعمال سے ایک حیثیت میں بڑھا ہوا ہو اس پر یہ انعام فرمایا۔ اور بعض اکابر علماء نے جو اسکا سبب ان لوگوں کی دوہری مشقت کو قرار دیا ہے وہ بھی اپنی جگہ محتمل ہے اور اسی آیت کے آخر میں لفظ بِمَا صَبَرُوْا سے اس پر استدلال ہو سکتا ہے کہ علت اس دوہرے اجر کی اُن کا مشقت پر صبر کرنا ہے واللہ اعلم

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ، یعنی یہ لوگ بُرائی کو بھلائی کے ذریعہ دُور کرتے ہیں۔ اس بُرائی اور بھلائی کی تعبیر میں ائمہ تفسیر کے بہت سے اقوال ہیں بعض نے فرمایا کہ بھلائی سے طاعت اور بُرائی سے معصیت مُراد ہے کیونکہ نیکی بدی کو مٹا دیتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل سے فرمایا اَتْبِعِ الْحَسَنَةَ السَّيِّئَةَ تَمْحُهَا، یعنی بدی اور گناہ کے بعد نیکی کرو تو وہ گناہ کو مٹا دے گی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا حسنہ سے مراد علم و حلم اور سیئہ سے مراد جہل و غفلت ہے یعنی یہ لوگ دوسروں کی جہالت کا جواب جہالت کے بجائے حلم و بُردباری سے دیتے ہیں اور درحقیقت ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ لفظ حسنہ اور سیئہ یعنی بھلائی اور بُرائی کے الفاظ ان سب چیزوں کو شامل ہیں۔

اس آیت میں دو اہم ہدایتیں ہیں | اوّل یہ کہ اگر کسی شخص سے کوئی گناہ خطا، سرزد ہو جائے تو اسکا علاج یہ ہے کہ اسکے بعد نیک عمل کی فکر کرے تو نیک عمل اُس گناہ کا کفارہ ہو جائیگا جیسا کہ حدیث معاذؓ کے حوالہ سے اوپر بیان ہو چکا ہے۔ دوسرے یہ کہ جو شخص کسی کے ساتھ ظلم اور بُرائی سے پیش آئے اگرچہ قانون شرع کی رُو سے اسکو اپنا انتقام لے لینا جائز ہے بشرطیکہ انتقام برابر سرابر ہو کہ جتنا نقصان یا تکلیف اسکو پہنچائی ہے اُتنا ہی یہ اپنے حریف کو پہنچا دے مگر اولیٰ اور احسن یہ ہے کہ انتقام کے بجائے بُرائی کے بدلہ میں بھلائی اور ظلم کے بدلہ میں احسان کرے کہ یہ اعلیٰ درجہ مکارم اخلاق کا ہے اور دُنیا و آخرت میں اسکے منافع بیشمار ہیں۔ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں یہ ہدایت بہت واضح الفاظ میں اس طرح آئی ہے اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ، یعنی بُرائی اور ظلم کو ایسے طریقہ سے دفع کرو جو کہ بہتر ہے۔ (یعنی ظلم کے بدلہ میں احسان کرو) تو جس شخص کے اور تمہارے درمیان عداوت ہے وہ تمہارا مخلص دوست بن جائے گا۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ، یعنی ان لوگوں کی ایک عمدہ خصلت یہ ہے کہ جب

یہ کسی جاہل دشمن سے لغو بات سنتے ہیں تو اسکا جواب دینے کے بجائے یہ کہدیتے ہیں کہ ہمارا سلام تو ہم جاہل لوگوں سے اُلجھنا پسند نہیں کرتے۔ امام جصاصؒ نے فرمایا کہ سلام کی دو قسمیں ہیں، ایک سلام تحیہ جو مسلمان باہم ایک دوسرے کو کرتے ہیں، دوسرا سلام مسالمت و متارکت یعنی اپنے حریف کو یہ کہدینا کہ ہم تمہاری لغوبات کا کوئی انتقام تم سے نہیں لیتے، یہاں سلام سے یہی دوسرے معنے مُراد ہیں۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ

تو راہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے پر اللہ راہ پر لائے جس کو

یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾	
چاہے اور وہی خوب جانتا ہے جو راہ پر آئیں گے	

خُلاصۂ تفسیر

آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کرسکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کردیتا ہے (اور ہدایت کرنے کی قدرت تو کسی کو کیا ہوتی اللہ کے سوا کسی کو اسکا علم تک بھی نہیں کہ کون کون ہدایت پانے والا ہے بلکہ) ہدایت پانے والوں کا علم اُسی کو ہے۔

معارف و مسائل

لفظ ہدایت کئی معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، ایک معنے صرف راستہ دکھادینے کے ہیں، جس کے لئے ضروری نہیں کہ جس کو راستہ دکھایا گیا وہ منزل مقصود پر پہنچے اور ایک معنی ہدایت کے یہ بھی آتے ہیں کہ کسی کو منزلِ مقصود پر پہنچا دیا جائے۔ پہلے معنے کے اعتبار سے تو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء کا ہادی ہونا اور یہ ہدایت اُن کے اختیار میں ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ ہدایت ہی اُن کا فرض منصبی ہے اگر اس کی اُن کو قدرت نہ ہو تو فریضہ رسالت و نبوت کیسے ادا کریں۔ اس آیت میں جو آپ کا ہدایت پر قادر نہ ہونا بیان فرمایا ہے اس سے مراد دوسرے معنے کی ہدایت ہے، یعنی مقصود پر پہنچا دینا۔ اور مطلب یہ ہے کہ اپنی تبلیغ و تعلیم کے ذریعہ آپ کسی کے دل میں ایمان ڈالدیں اس کو مؤمن بنادیں یہ آپ کا کام نہیں یہ تو براہِ راست حق تعالےٰ کے اختیار میں ہے۔ ہدایت کے معنی اور اُس کی اقسام کی مکمل تحقیق سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ آپ کی بڑی تمنا یہ تھی کہ وہ کسی طرح ایمان قبول کرلیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتلایا گیا

کسی کو مؤمن بنادینا آپکی قدرت میں نہیں۔ تفسیر رُوح المعانی میں ہے کہ ابوطالب کے ایمان و کفر کے معاملے میں بے ضرورت گفتگو اور بحث و مباحثہ سے اور اُن کو بُرا کہنے سے اجتناب کرنا چاہیئے کہ اُس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طبعی ایذا کا احتمال ہے۔ واللہ اعلم

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ

اور کہنے لگے اگر ہم راہ پر آئیں تیرے ساتھ اُچک لئے جائیں اپنے ملک سے کیا ہم نے

نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰۤى اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ

جگہ نہیں دی اُن کو حرمت والے پناہ کے مکان میں کھنچے چلے آتے ہیں اسکی طرف میوے ہر چیز کے روزی ہماری

لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ

طرف سے پر بہت ان میں سمجھ نہیں رکھتے اور کتنی غارت کردیں ہم نے بستیاں

بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ

جو اترا چلی تھیں اپنی گزران میں اب یہ ہیں اُن کے گھر آباد نہیں ہوئے اُن کے پیچھے

اِلَّا قَلِیْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ

مگر تھوڑے اور ہم ہیں آخر کو سب کچھ لینے والے اور تیرا رب نہیں غارت کرنے والا

الْقُرٰى حَتّٰى یَبْعَثَ فِیْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا

بستیوں کو جب تک نہ بھیج لے انکی بڑی بستی میں کسی کو پیغام دے کر جو سُنائے انکو ہماری باتیں اور ہم گرنے نہیں

مُهْلِكِی الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ

غارت کرنے والے بستیوں کو مگر جبکہ وہاں کے لوگ گنہگار ہوں اور جو تم کو ملی ہے کوئی چیز

فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ

سو فائدہ اُٹھالینا ہے دُنیا کی زندگی میں اور یہاں کی رونق ہے، اور جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے اور باقی رہنے والا

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾	
کیا تم کو سمجھ نہیں	

خُلاصۂ تفسیر

(اُوپر دُور سے کفار کے ایمان نہ لانے کا ذکر چلا آرہا ہے ان آیات میں اُن موانع کا ذکر ہے جو کفار کو ایمان لانے کی راہ میں حائل سمجھے جاتے تھے، مثلاً ایک مانع کا بیان یہ ہے کہ) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر آپ کے ساتھ ہوکر (اس دین کی) ہدایت پر چلنے لگیں تو فی الفور اپنے مقام سے مار کر نکالدیئے

جادیں (کہ بے وطنی کی بھی مضرت ہو اور معاش کی پریشانی الگ ہو، لیکن اس عذر کا بطلان ہی بالکل ظاہر ہے) کیا ہمنے ان کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے (یعنی ہماری قدرت اور رزاقی سے) کھانے کو ملتے ہیں (پس حرم ہونے کی وجہ سے جس کا سب احترام کرتے ہیں مضرت کا بھی اندیشہ نہیں اور اس مضرت کے منتفی ہونے کی وجہ سے احتمال فوتِ منفعتِ رزق کا بھی نہیں، پس ان کو چاہئے تھا کہ اس حالت کو غنیمت سمجھتے اور اسکو نعمت سمجھ کر قدر کرتے اور ایمان لے آتے) ولیکن ان میں اکثر لوگ (اس کو) نہیں جانتے (یعنی اسکا خیال نہیں کرتے) اور (ایک سبب اُن کے ایمان نہ لانے کا یہ ہے کہ یہ اپنی خوش عیشی پر نازاں ہیں لیکن یہ بھی حماقت ہے کیونکہ) ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامانِ عیش پر نازاں تھے، سو (دیکھ لو) یہ انکے گھر (تمھاری آنکھوں کے سامنے پڑے) ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لئے (کہ کسی مسافر وغیرہ کا ادھر کو اتفاقاً گزر ہو جاوے اور وہ تھوڑی دیر وہاں ستانے کو یا تماشا دیکھنے کو بیٹھ جاوے یا شب کو رہ جاوے) اور آخر کار (انکے ان سب سامانوں کے) ہم ہی مالک رہے (کوئی ظاہری وارث بھی ان کا نہ ہوا) اور (ایک شبہہ انکو یہ ہوتا ہے کہ اگر ان لوگوں کی ہلاکت بسبب کفر کے ہے تو ہم مدت سے کفر کرتے آرہے ہیں ہمکو کیوں نہ ہلاک کیا جیسا کہ دوسری آیتوں میں ہے وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ الخ اور اس شبہہ کیوجہ سے ایمان نہیں لاتے سو اسکا حل یہ ہے کہ) آپکا رب بستیوں کو (اول ہی بار میں) ہلاک نہیں کیا کرتا جبتک کہ (بستیوں) کے صدر مقام میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج لے اور (پیغمبر کو بھیجنے کے بعد بھی فوراً) ہم ان بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اسی حالت میں کہ وہاں کے باشندے بہت ہی شرارت کرنے لگیں (یعنی ایک مدتِ معتدبہ تک بار بار کی تذکیر سے تذکر حاصل کریں تو اس وقت ہلاک کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جن بستیوں کی ہلاکت کا اوپر ذکر تھا وہ بھی اسی قانون کے موافق ہلاک ہوئیں سو اسی قانون کے موافق تمھارے ساتھ عملدرآمد ہو رہا ہے اسلئے نہ رسول سے پہلے ہلاک کیا اور نہ بعد رسول کے ابھی تک ہلاک کیا مگر چند روز گزرنے دو۔ اگر تمھارا یہی عناد رہا تو سزا ہو ہی گی چنانچہ بدر وغیرہ میں ہوئی) اور (ایک وجہ ایمان نہ لانے کی یہ ہے کہ دُنیا نقد ہے اسلئے مرغوب ہے اور آخرت اُدھار ہے اسلئے غیر مرغوب ہے، پس دُنیا کی رغبت سے دل خالی نہیں ہوتا کہ اسمیں آخرت کی رغبت سمائے پھر اس کی تحصیل کا طریقہ تلاش کیا جاوے جو کہ ایمان ہے سو اسکی نسبت یہ سُن رکھو کہ) جو کچھ تم کو دیا دلایا گیا ہے وہ محض (چند روزہ) دُنیوی زندگی کے برتنے کے لئے ہے اور یہیں کی (زیب و) زینت ہے (کہ خاتمہ عمر کے ساتھ اسکا بھی خاتمہ ہو جائیگا) اور جو (اجر و ثواب) اللہ کے ہاں ہے وہ بدرجہا اس سے (کیفیۃً بھی) بہتر ہے اور (کمیۃً بھی) زیادہ (یعنی ہمیشہ) باقی رہنے والا ہے سو کیا تم لوگ (اس تفاوت کو یا اس تفاوت کے اقتضاء کو) نہیں سمجھتے (غرض تمھارے اعذار اور اسباب پر

اصرار علی الکفر سب محض بے بنیاد اور لغو ہیں سمجھو اور مانو)

معارف و مسائل

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا یعنی کفار مکہ حارث بن عثمان وغیرہ نے اپنے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ بیان کی کہ اگرچہ ہم آپ کی تعلیمات کو حق مانتے ہیں مگر ہمیں خطرہ یہ ہے کہ اگر ہم آپ کی ہدایات پر عمل کر کے آپکے ساتھ ہو جاویں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہو جائیگا اور ہمیں ہماری زمین مکہ سے اُچک لے گا (اخرجہ النسائی وغیرہ) قرآن کریم نے انکے اس عُذرِ لنگ کے تین جواب دیئے اول یہ کہ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ، یعنی اُن کا یہ عذر اسلئے باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اہلِ مکہ کی حفاظت کا ایک قدرتی سامان پہلے سے یہ کر رکھا ہے کہ ارضِ مکہ کو حرم بنا دیا اور پورے عرب کے قبائل کفر و شرک اور باہمی عداوتوں کے باوجود اس پر متفق تھے کہ زمین حرم مکہ میں قتل و قتال سخت حرام ہے۔ حرم میں باپ کا قاتل بیٹے کو ملتا تو انتہائی جوشِ انتقام کے باوجود کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ حرم کے اندر اپنے دشمن کو قتل کر دے یا اُس سے کوئی انتقام لے لے، اسلئے ایمان لانے میں اُن کو یہ خطرہ محسوس کرنا کسقدر جہالت ہے کہ جس مالک نے اپنے رحم و کرم سے اُنکے کفر و شرک کے باوجود اس زمین میں امن دے رکھا ہے تو ایمان لانے کی صورت میں وہ اُن کو کیسے ہلاک ہونے دیگا۔ یحییٰ بن سلام نے فرمایا کہ معنے آیت کے یہ ہیں کہ تم حرم کی وجہ سے مأمون و محفوظ تھے، میرا دیا ہوا رزق فراخی کے ساتھ کھا رہے تھے اور عبادت میرے سوا دوسروں کی کرتے تھے اپنی اس حالت سے تو تمھیں خوف نہ ہوا اُلٹا خوف اللہ پر ایمان لانے سے ہوا۔ (قرطبی) آیتِ مذکورہ میں حرم مکہ کے دو وصف بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ وہ جائے امن ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں اطرافِ دُنیا سے ہر چیز کے ثمرات لائے جاتے ہیں تاکہ مکہ کے باشندے اپنی تمام ضروریات آسانی سے پوری کر سکیں۔

حرم مکہ میں ہر چیز کے ثمرات کا جمع ہونا خاص آیاتِ قدرت میں سے ہے

مکہ مکرمہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بیت کے لئے ساری دُنیا میں سے منتخب فرمایا ایک ایسا مقام ہے کہ وہاں دُنیا کی معیشت کی کوئی چیز آسانی سے نہ ملنا چاہیئے کیونکہ گیہوں، چنا، چاول وغیرہ جو عام انسانی غذا ہے، ان چیزوں کی پیداوار بھی وہاں نہ ہونے کے حکم میں تھی۔ پھل اور ترکاریوں وغیرہ کا تو کہنا کیا ہے مگر یہ سب چیزیں جس افراط کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ملتی ہیں عقل حیران رہ جاتی ہے کہ موسم حج کے موقع پر مکہ کی دو تین لاکھ کی آبادی پر بارہ پندرہ لاکھ مسلمانوں کا اضافہ ہر سال ہو جاتا ہے جو اوسطاً دو ڈھائی مہینے تک رہتا ہے۔ کبھی نہیں سُنا گیا کہ ان میں سے کسی کو کسی

زمانے میں غذائی ضروریات نہ ملی ہوں بلکہ رات دن کے تمام اوقات میں تیار شدہ غذا ہر وقت ملتے رہے کا مشاہدہ ہر شخص کرتا ہے اور قرآن کریم کے لفظ (ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ) میں غور کریں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرفِ عام کے اعتبار سے ثمرات کا تعلق درختوں کے ساتھ ہے مقام اسکا تھا کہ ثمراتُ کُلِّ شجر فرمایا جاتا، اسکے بجائے ثمراتُ کُلِّ شَیْءٍ فرماتے ہیں بعید نہیں کہ اشارہ اس طرف ہو کہ لفظ ثمرات یہاں صرف پھلوں کے معنے میں نہیں بلکہ مطلقاً حاصل اور پیداوار کے معنی میں ہے ملوں اور کارخانوں کی مصنوعات بھی اُنکے ثمرات ہیں، اس طرح حاصل اس آیت کا یہ ہوگا کہ حرم مکہ میں صرف کھانے پینے ہی کی چیزیں جمع نہیں ہوں گی بلکہ تمام ضروریاتِ زندگی جمع کردی جائیں گی جسکا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو رہا ہے کہ شاید دُنیا کے کسی بھی ملک میں یہ بات نہو کہ ہر ملک اور ہر خطے کی غذائیں اور وہاں کی مصنوعات اس افراط کے ساتھ وہاں ملتی ہوں جیسی مکہ مکرمہ میں ملتی ہیں۔ یہ تو کفارِ مکہ کے عذر کا ایک جواب ہوا کہ جس مالک نے تمھاری حالتِ کفر و شرک میں تم پر یہ انعامات برسائے کہ تمھاری زمین کو ہر خطرہ سے مأمون و محفوظ کردیا اور باوجودیکہ اس زمین میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی، ساری دُنیا کی پیداوار یہاں لاکر جمع کردی تو تمھارا یہ خطرہ کیسی بڑی جہالت ہے کہ خالقِ کائنات پر ایمان لانے کی صورت میں تم سے یہ نعمتیں سلب ہوجائیں گی۔

اس کے بعد دوسرا جواب اس عذر کا یہ ہے وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا جسمیں یہ بتلایا گیا ہے کہ دنیا کی دوسری کافر قوموں کے حالات پر نظر ڈالو کہ اُن کے کفر و شرک کے وبال سے کس طرح اُن کی بستیاں تباہ ہوئیں اور مضبوط و مستحکم قلعے اور حفاظتی سامان سب خاک میں مل گئے تو اصل خوف کی چیز کفر و شرک ہے جو تباہی و بربادی کا سبب ہوتا ہے۔ تم کیسے بے خبر بے وقوف ہو کہ کفر و شرک سے خطرہ محسوس نہیں کرتے ایمان سے خطرہ محسوس کرتے ہو۔

تیسرا جواب اس آیت میں دیا گیا وَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا الآیۃ جس میں یہ بتلایا کہ اگر بالفرض ایمان لانے کے نتیجہ میں تمھیں کوئی تکلیف پہنچ ہی جائے تو وہ چند روزہ ہے اور جس طرح دُنیا کی عیش و عشرت مال و دولت سب چند روزہ متاع ہے کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی، اسی طرح یہاں کی تکلیف بھی چند روزہ ہے جلد ختم ہوجانے والی ہے اسلئے عقلمند کا کام یہ ہے کہ فکر اُس تکلیف و راحت کی کرے جو پائیدار اور ہمیشہ رہنے والی ہو، ہمیشہ رہنے والی دولت و نعمت کیخاطر چند روزہ تکلیف و مشقت برداشت کرلینا ہی عقلمندی کی دلیل ہے۔

لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا، یعنی پچھلی قوموں کی جن بستیوں کو عذابِ الٰہی سے برباد کیا گیا تھا، اب تک بھی اُن میں آبادی نہیں ہوئی بجز قدر قلیل کے۔ اس قدر قلیل سے مراد اگر مساکن اور مقامات قلیلہ لئے جاویں جیسا کہ زجاج کا قول ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان تباہ شدہ

بستیوں میں کوئی مقام اور کوئی مکان پھر آباد نہیں ہو سکا بجز عدد قلیل کے کہ وہ آباد ہوئے مگر حضرت ابن عباس سے آیت کی یہ تفسیر منقول ہے کہ قدر قلیل سے مقامات اور مکانات قلیلہ کا استثناء نہیں بلکہ زمانِ سکونت کا استثناء مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر ان بستیوں میں کوئی رہتا بھی ہے تو بہت تھوڑی دیر کے لئے جیسے کوئی راہگیر مسافر تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جائے جسکو بستیوں کی آبادی نہیں کہا جا سکتا۔

حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا، لفظ اُمّ کے مشہور معنے والدہ اور ماں کے ہیں اور ماں چونکہ تخلیقِ انسانی کی بنیاد ہے اسلئے لفظ اُمّ اصل اور اساس کے معنے میں بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ اُمّھا کی ضمیر قُریٰ کی طرف راجع ہے اُمّھا سے مراد اُمّ القُریٰ ہے یعنی بستیوں کی اصل اور مدار کا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اُسوقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک اُس قوم کے بڑے شہروں میں اپنے کسی رسول کے ذریعہ پیغامِ حق نہ پہنچا دے، جب دعوتِ حق پہنچ جائے اور لوگ اُس کو قبول نہ کریں اُسوقت ان بستیوں پر عذاب آتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے انبیاء اور رُسل عموماً بڑے شہروں میں مبعوث ہوتے ہیں وہ چھوٹے قصبات و دیہات میں نہیں آتے کیونکہ ایسے قصبات و دیہات عادۃً شہر کے تابع ہوتے ہیں اپنی معاشی ضروریات میں بھی اور تعلیمی ضروریات میں بھی۔ اور شہر میں جو بات پھیل جائے اس کا تذکرہ ملحقہ قصبات و دیہات میں خود بخود پھیل جاتا ہے اسی لئے جب کسی بڑے شہر میں رسول مبعوث ہوا اور اُس نے دعوتِ حق پیش کردی تو یہ دعوت ان قصبات و دیہات میں بھی عادۃً پہنچ جاتی ہے اس طرح ان سب پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام ہو جاتی ہے اور انکار و تکذیب کیا جائے تو سب پر عذاب آتا ہے۔

احکام و قوانین میں قصبات و دیہات شہروں کے تابع ہوتے ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ جیسے معاشی ضروریات میں چھوٹی بستیاں بڑے شہر کے تابع ہوتی ہیں وہیں سے اُن کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اسی طرح جب کسی حکم کا اعلان شہر میں کردیا جائے تو اس حکم کی تعمیل اس کی ملحقہ بستیوں پر بھی لازم ہوجاتی ہے، نہ جاننے یا نہ سُننے کا عذر مسموع نہیں ہوتا۔

ہلالِ رمضان و عید کے مسئلے میں بھی فقہاء نے یہی فرمایا ہے کہ ایک شہر میں اگر شہادتِ شرعیہ کے ساتھ قاضی شہر کے حکم سے چاند کی رویت ثابت ہوجائے تو ملحقہ بستیوں کو بھی اُس پر عمل کرنا لازم ہے۔ لیکن دوسرے شہر والوں پر اُسوقت تک لازم نہیں ہوگا جبتک خود اس شہر کا قاضی شہادت کو تسلیم کرکے اسکا حکم نہ دے۔ (کذا فی الفتاوی الغیاثیہ)

وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ، یعنی دنیا کا مال و متاع اور عیش و عشرت سب فانی ہے اور یہاں کے اعمال کا جو بدلہ آخرت میں ملنے والا ہے وہ یہاں کے مال و اسباب اور عیش و

عشرت سے اپنی کیفیت کے اعتبار سے بھی بہت بہتر ہے کہ دُنیا کی کوئی بڑی سے بڑی راحت ولذت بھی اسکا مقابلہ نہیں کرسکتی اور پھر وہ ہمیشہ باقی رہنے والی بھی ہے بخلاف متاعِ دُنیا کے کہ وہ کتنا ہی بہتر ہو مگر بالآخر فانی اور زائل ہونے والا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی عقلمند آدمی ایسے عیش کو جو کم درجہ بھی ہو اور چند روزہ بھی اُس عیش و آرام پر ترجیح نہیں دے سکتا جو راحت و لذت میں اس سے زیادہ بھی ہو اور ہمیشہ رہنے والا بھی ہو۔

عقلمند کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ دُنیا کے دھندوں میں زیادہ منہمک نہ ہو بلکہ آخرت کی فکر میں لگے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے مال و جائیداد کے متعلق یہ وصیت کر کے مرجائے کہ میرا مال اُس شخص کو دیدیا جائے جو سب سے زیادہ عقلمند ہو تو اس مال کے مصرف شرعی وہ لوگ ہونگے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت میں مشغول ہوں، کیونکہ عقل کا تقاضا یہی ہے اور دُنیاداروں میں سے سب سے زیادہ عقل والا وہی ہے۔ یہی مسئلہ فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب دُرِّ مختار باب الوصیت میں بھی مذکور ہے۔

أَفَمَن وَعَدْنَٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَٰقِيهِ كَمَن مَّتَّعْنَٰهُ مَتَٰعَ

بھلا ایک شخص جس سے ہم نے وعدہ کیا ہے اچھا وعدہ سو وہ اس کو پانے والا ہے برابر ہے اسکی جس کو ہم نے فائدہ

ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ مِنَ ٱلْمُحْضَرِينَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ

دیا دُنیا کی زندگی کا پھر وہ قیامت کے دن پکڑا ہوا آیا اور جس دن

يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ ٱلَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾

اُن کو پکاریگا تو کہے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے

قَالَ ٱلَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ ٱلْقَوْلُ رَبَّنَا هَٰٓؤُلَآءِ ٱلَّذِينَ أَغْوَيْنَآ

بولے جن پر ثابت ہو چکی بات اے رب یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا

أَغْوَيْنَٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَآ إِلَيْكَ مَا كَانُوٓا۟ إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾

اُن کو بہکایا جیسے ہم آپ بہکے ہم منکر ہوئے تیرے آگے وہ ہم کو نہ پوجتے تھے

وَقِيلَ ٱدْعُوا۟ شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا۟ لَهُمْ وَ

اور کہیں گے پکارو اپنے شریکوں کو پھر پکاریں گے اُن کو تو وہ جواب نہ دیں گے اُن کو اور

رَأَوُا۟ ٱلْعَذَابَ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا۟ يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ

دیکھیں گے عذاب کسی طرح وہ راہ پائے ہوئے ہوتے اور جس دن اُن کو پکاریگا

فَيَقُولُ مَاذَآ أَجَبْتُمُ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ ٱلْأَنۢبَآءُ

تو فرمائے گا کیا جواب دیا تھا تم نے پیغام پہنچانے والوں کو پھر بند ہوجائیں گی اُن پر باتیں

يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُونَ ﴿٦٦﴾ فَأَمَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَ

اُس دن سو وہ آپس میں بھی نہ پوچھیں گے سو جس نے کہ توبہ کی اور یقین لایا اور

عَمِلَ صَٰلِحًا فَعَسَىٰٓ أَن يَكُونَ مِنَ ٱلْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾

عمل کئے اچھے سو اُمید ہے کہ ہو چھوٹنے والوں میں

خُلاصۂ تفسیر

بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے پھر وہ شخص اُس (وعدہ کی چیز) کو پانے والا ہے کیا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دُنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ دے رکھا ہے پھر وہ قیامت کے روز ان لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کر کے لائیں جائیں گے (مُراد پہلے شخص سے مؤمن ہے جس سے جنّت کا وعدہ ہے اور دوسرے سے مراد کافر جو مجرم ہو کر آئے گا اور چونکہ متاعِ دُنیا ہی ان لوگوں کی بھول کا سبب ہے اسلئے اسکی تصریح فرمادی، ورنہ ان دونوں کا برابر نہ ہونا تو در اصل اسوجہ سے ہے کہ وہ گرفتار کر کے حاضر کئے جاویں گے یہ جنّت کی نعمتوں سے سرفراز ہونگے) اور (آگے اس تفاوت اور کیفیت احضار کی تفصیل ہے کہ وہ دن قابل یاد کرنے کے ہے) جس دن خدا تعالیٰ ان کافروں کو (بطور سزا کے) پکار کر کہے گا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم (ہمارا شریک) سمجھ رہے تھے (مراد اس سے شیاطین ہیں کہ اُنہی کی اطاعت مطلقہ سے شرک کرتے تھے اس لئے ان کو شرکاء کہا اسکو سنکر شیاطین) جن پر (لوگوں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے) خدا کا فرمودہ (یعنی استحقاقِ عذاب اس قول سے کہ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ) ثابت ہو چکا ہوگا وہ (بطور عذر کے) بول اُٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار بیشک یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا (یہ جواب کی تمہید ہے اس حکایت کی تصریح اسلئے فرمائی گئی کہ جن کی شفاعت کی ان کو اُمید ہے وہ برعکس انکے خلاف شہادت دیں گے اور آگے جواب ہے کہ ہم نے بہکایا تو ضرور لیکن) ہم نے اُن کو ویسا ہی (بلا جبر و اکراہ) بہکایا جیسا ہم خود (بلا جبر و اکراہ) بہکے تھے (یعنی جس طرح ہم خود اپنے اختیار سے گمراہ ہوئے کسی نے ہمیں مجبور نہیں کیا اسی طرح ہمکو اُن پر جابرانہ تسلط نہ تھا ہمارا کام صرف بہکانا تھا پھر اسکو انھوں نے اپنی رائے اور اختیار سے قبول کر لیا جیسا سُورۂ ابراہیم میں ہے وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَٰنٍ إِلَّآ أَن دَعَوْتُكُمْ فَٱسْتَجَبْتُمْ لِي الآیۃ، مطلب یہ ہے کہ ہم بھی مجرم ہیں مگر یہ بھی بَری نہیں) اور ہم آپکی پیشی میں انکے (تعلقات) سے دست برداری کرتے ہیں (اور) یہ لوگ (درحقیقت صرف) ہم کو (ہی) نہ پوجتے تھے (یعنی

جب یہ اپنے اختیار سے بہکے ہیں تو یہ خود خواہش پرست ہوئے نہ کہ صرف شیطان پرست، مقصود اس سب حکایت سے یہ ہے کہ جن کے بھروسے بیٹھے ہیں وہ قیامت کے روز ان سے دست بردار ہوجائیںگے) اور (جب وہ شرکاء اس طرح ان سے بیزاری و بے رُخی کریں گے تو اسوقت ان مشرکین سے) کہا جائیگا کہ (اب) اپنے ان شرکاء کو بلاؤ چنانچہ وہ (فرطِ حیرت سے بالاضطرار) ان کو پکاریں گے سو وہ جواب بھی نہ دیں گے اور (اسوقت) یہ لوگ (اپنی آنکھوں) سے عذاب کو دیکھ لیں گے، اے کاش یہ لوگ دُنیا میں راہ راست پر ہوتے (تو یہ مصیبت نہ دیکھتے) اور جس دن ان کافروں سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا سو اس روز ان (کے ذہن) سے سارے مضامین گم ہوجائیں گے تو وہ (خود بھی نہ سمجھ سکیں گے اور) آپس میں پوچھ پاچھ بھی نہ کرسکیں گے البتہ جو شخص (کفر و شرک سے دُنیا میں) توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کیا کرے تو ایسے لوگ اُمید ہے کہ (آخرت میں) فلاح پانیوالوں سے ہونگے (اور ان آفات سے محفوظ رہیں گے)۔

معارف و مسائل

محشر میں کفار و مشرکین سے پہلا سوال شرک کے متعلق ہوگا کہ جن شیاطین وغیرہ کو تم ہمارا شریک کہا کرتے تھے اور اُن کا کہا مانتے تھے آج وہ کہاں ہیں، کیا وہ تمہاری کچھ مدد کرسکتے ہیں؟ اسکے جواب میں ظاہر یہ تھا کہ مشرکین یہ جواب دیں کہ ہمارا کوئی قصور نہیں، ہم نے از خود شرک نہیں کیا بلکہ ہمیں تو ان شیاطین نے بہکایا تھا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ خود ان شیاطین کی زبانوں سے کہلوادیں گے کہ ہم نے بہکایا ضرور تھا مگر مجبور تو ہم نے نہیں کیا۔ اس لئے مجرم ہم بھی ہیں مگر جُرم سے بَری یہ بھی نہیں کیونکہ جس طرح ہم نے اُن کو بہکایا تھا اسکے بالمقابل انبیاء علیہم السلام اور اُن کے نائبوں نے انکو ہدایت بھی تو کی تھی اور دلائل کے ساتھ ان پر حق واضح کردیا تھا، انھوں نے اپنے اختیار سے انبیاء کی بات نہ مانی ہماری مان لی تو یہ کیسے بَری ہوسکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے سامنے حق کے دلائل واضحہ موجود ہوں اور وہ حق کی طرف دعوت دینے والوں کے بجائے گمراہ کرنے والوں کی بات مان کر گمراہی میں پڑ جائے تو یہ کوئی عذر معتبر نہیں۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحٰنَ
اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند کرے جس کو چاہے اُن کے ہاتھ میں نہیں پسند کرنا، اللہ
اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ
نرالا ہے اور بہت اُوپر ہے اس چیز سے کہ شریک بتلاتے ہیں، اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے انکے سینوں میں

۴۲

وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى
اور جو کچھ کہ ظاہر کرتے ہیں، اور وہی اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا، اُسی کی تعریف ہے دُنیا اور
وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ
آخرت میں اور اسی کے ہاتھ حکم ہے اور اسی کے پاس پھیرے جاؤگے۔ تو کہہ دیکھو تو اگر اللہ
اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ
رکھ دے تم پر رات ہمیشہ کو قیامت کے دن تک کون حاکم ہے اللہ کے سوائے
يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ
کہ لائے تم کو کہیں سے روشنی، پھر کیا تم سنتے نہیں تو کہہ دیکھو تو اگر رکھ دے اللہ
عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ
تم پر دن ہمیشہ کو قیامت کے دن تک کون حاکم ہے اللہ کے سوائے کہ لائے تم کو
بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ
رات جس میں آرام کرو، پھر کیا تم نہیں دیکھتے اور اپنی مہربانی سے بنادیئے تمہارے واسطے
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾
رات اور دن کہ اس میں چین بھی کرو اور تلاش بھی کرو کچھ اسکا فضل اور تاکہ تم شکر کرو

خُلاصۂ تفسیر

اور آپ کا رب (بالانفراد صفاتِ کمال کے ساتھ موصوف ہے چنانچہ وہ) جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (تو تکوینی اختیارات بھی اسی کو حاصل ہیں) اور جس حکم کو چاہتا ہے پسند کرتا ہے (اور انبیاء کے ذریعہ سے نازل فرماتا ہے پس تشریعی اختیارات بھی اسی کو حاصل ہیں) ان لوگوں کو تجویز (احکام) کا کوئی حق (حاصل) نہیں (کہ جو حکم چاہیں تجویز کرلیں جیسے یہ شرک اپنی طرف سے شرک کو جائز تجویز کررہے ہیں اور اس خصوصی اختیار سے ثابت ہوا کہ) اللہ تعالیٰ اُن کے شرک سے پاک اور برتر ہے (کیونکہ جب تکویناً و تشریعاً خالق اور مختار ہونے میں وہ منفرد ہے تو عبادت کا بھی تنہا وہی مستحق ہے کیونکہ معبود ہونا صرف اسکا حق ہے جو تکوینی اور تشریعی دونوں اختیار رکھتا ہو) اور آپ کا رب (علم ایسا کامل رکھتا ہے کہ وہ) سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو اُن کے دلوں میں پوشیدہ رہتا ہے اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں (اور کسی کا ایسا علم بھی نہیں اس سے بھی انفراد ثابت ہوا) اور (آگے اس کی تصریح ہے کہ) اللہ وہی (ذات کامل الصفات) ہے اسکے سوا کوئی معبود (ہونے کے قابل) نہیں حمد (و ثناء) کے لائق دُنیا و آخرت میں وہی ہے (کیونکہ اسکے تصرفات دونوں عالم میں ایسے ہیں جو اسکے جامع کمالات اور مستحق

ہونے پر شاہد ہیں) اور (اختیارات سلطنت اسکے ایسے ہیں کہ) حکومت بھی (قیامت میں) اسی کی ہوگی اور (قوت و وسعت سلطنت اسکی ایسی ہے) کہ تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے (یہ نہیں کہ بچ جاؤ یا اور کہیں جاکر پناہ لے لو اور اسکے اظہارِ قدرت کے لئے) آپ (ان لوگوں سے) کہیئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک رات ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی کو لے آوے (پس قدرت میں بھی وہی منفرد ہے) تو کیا تم (توحید کے ایسے صاف دلائل کو) سنتے نہیں (اور اسی اظہار قدرت کے لئے) آپ (ان سے اسکے عکس کی نسبت بھی) کہیئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آوے جس میں تم آرام پاؤ کیا تم (اس شاہد قدرت کو) دیکھتے نہیں (قدرت میں اسکا منفرد ہونا بھی اس کو مقتضی ہے کہ معبودیت میں بھی وہی منفرد ہو) اور (وہ منعم ایسا ہے کہ) اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم رات میں آرام کرو اور تاکہ دن میں اس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ (ان دونوں نعمتوں پر) تم (اللہ کا) شکر کرو (تو انعام و احسان میں بھی وہی منفرد ہے یہ بھی اسکی دلیل ہے کہ معبودیت میں بھی وہی منفرد ہو)۔

مَعارف و مسَائل

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ، اس آیت کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں لیا گیا ہے کہ یختار سے مراد اختیار احکام ہے کہ حق تعالیٰ جبکہ تخلیق کائنات میں منفرد ہے کوئی اسکا شریک نہیں تو اجرائے احکام میں بھی منفرد ہے جو چاہے اپنی مخلوق میں حکم نافذ فرمائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح اختیار تکوینی میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اسی طرح اختیار تشریعی میں بھی کوئی شریک نہیں اور اسکا ایک دوسرا مفہوم وہ ہے جو امام بغوی نے اپنی تفسیر میں اور علامہ ابن قیم نے زاد المعاد کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ اس اختیار سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہیں اپنے اکرام و اعزاز کے لئے انتخاب فرمالیتے ہیں اور بقول بغوی یہ جواب ہے مشرکین مکہ کے اس قول کا کہ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ، یعنی یہ قرآن اللہ کو نازل ہی کرنا تھا تو عرب کے دو بڑے شہروں مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل فرماتا کہ اسکی قدر و منزلت پہچانی جاتی، ایک یتیم مسکین پر نازل فرمانے میں کیا حکمت تھی؟ اسکے جواب میں فرمایا کہ جس مالک نے تمام مخلوقات کو بغیر کسی شریک کی امداد کے پیدا فرمایا ہے یہ اختیار بھی اسی کو حاصل ہے کہ اپنے کسی خاص اعزاز کے لئے اپنی مخلوق میں سے کسی کو منتخب کرے اسمیں وہ تمہاری تجویزوں کا کیوں پابند ہو کہ فلاں اسکا مستحق ہے فلاں نہیں۔

ایک چیز کو دوسری چیز پر یا ایک شخص کو دوسرے پر فضیلت کا معیار صحیح اختیارِ خداوندی ہے

حافظ ابن قیم نے اس آیت سے ایک عظیم الشان ضابطہ اخذ کیا ہے کہ دُنیا میں جو ایک جگہ کو دوسری جگہ پر یا ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دی جاتی ہے یہ اُس چیز کے کسب و عمل کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ وہ بلا واسطہ خالقِ کائنات کے انتخاب و اختیار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اُس نے سات آسمان پیدا کئے اُنمیں سے سماءِ علیا کو دوسروں پر فضیلت دیدی حالانکہ مادہ ساتوں آسمانوں کا ایک ہی تھا، پھر اُس نے جنت الفردوس کو دوسری سب جنتوں پر اور جبرئیل و میکائیل و اسرافیل وغیرہ خاص فرشتوں کو دوسرے فرشتوں پر، اور انبیاء علیہم السلام کو دوسرے سارے بنی آدم پر اور اُن میں سے اولوالعزم رسولوں کو دوسرے انبیاء پر اور اپنے خلیل ابراہیم اور حبیب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو دوسرے سب اولوالعزم رسولوں پر، پھر اولادِ اسماعیل علیہ السلام کو دوسری ساری دُنیا کے لوگوں پر پھر قریش کو اُن سب پر اور بنی ہاشم کو سب قریش پر اور سید ولد آدم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب بنی ہاشم پر پھر اسی طرح صحابہ کرام اور دوسرے اسلافِ اُمت کو دوسروں پر فضیلت دینا یہ سب حق تعالیٰ جل شانہٗ کے انتخاب و اختیار کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح زمین کے بہت سے مقامات کو دوسرے مقامات پر اور بہت دنوں اور راتوں کو دوسرے دنوں اور راتوں پر فضیلت دینا یہ سب اُسی اختیار اور انتخاب حق جل شانہٗ کا اثر ہے غرض افضلیت و مفضولیت کا اصل معیار تمام کائنات میں یہی انتخاب و اختیار ہے البتہ افضلیت کا ایک دوسرا سبب انسانی اعمال و افعال بھی ہوتے ہیں اور جن مقامات میں نیک اعمال کئے جاویں وہ مقامات بھی ان اعمالِ صالحہ یا صالحین عباد کی سکونت سے متبرک ہو جاتے ہیں۔ یہ فضیلت کسب و اختیار اور عمل صالح سے حاصل ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دُنیا میں مدارِ فضیلت دو چیزیں ہیں ایک غیر اختیاری جو صرف حق تعالیٰ کا انتخاب ہے دوسرا اختیاری جو اعمال صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ سے حاصل ہوتا ہے۔ علامہ ابن قیم نے اس موضوع پر بڑا تفصیلی کلام کیا ہے اور آخر میں صحابہ کرام میں سے خلفاء راشدین کو تمام دوسرے صحابہ پر اور خلفاء راشدین میں صدیق اکبرؓ انکے بعد عمر بن خطاب ان کے بعد عثمان غنی انکے بعد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی ترتیب کو ان دونوں معیاروں سے ثابت کیا ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک مستقل رسالہ فارسی زبان میں اس موضوع پر ہے جسکا اُردو ترجمہ احقر نے بنام بعض التفصیل لمسئلۃ التفضیل شائع کر دیا ہے اور احکام القرآن سورۂ قصص میں بھی اس کو بزبان عربی مفصل لکھدیا ہے۔ اہل علم کے ذوق کی چیز ہے وہاں مطالعہ فرمائیں۔

اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاۗءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ الٰی قولہٖ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اس

آیت میں حق تعالیٰ نے رات کے ساتھ تو اسکا ایک فائدہ ذکر فرمایا، لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ یعنی رات میں انسان کو سکون ملتا ہے اسکے بالمقابل دن کے ذکر میں بضیاء کے ساتھ کوئی فائدہ ذکر نہیں فرمایا سبب ظاہر ہے کہ دن کی روشنی اپنی ذات میں افضل ہے اور ظلمت سے روشنی کا بہتر ہونا معلوم معروف ہے۔ روشنی کے بیشمار فوائد اتنے معروف ہیں کہ اُن کے بیان کی ضرورت نہیں، بخلاف رات کے کہ وہ ظلمت اور اندھیری ہے جو اپنی ذات میں کوئی فضیلت نہیں رکھتی بلکہ اسکی فضیلت لوگوں کے سکون و آرام کے سبب سے ہے اسلئے اسکو بیان فرمادیا۔ اور اسی لئے دن کے معاملہ کا ذکر کرکے آخر میں فرمایا: اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ اور رات کا معاملہ ذکر کرکے فرمایا اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ اسمیں یہ اشارہ ہوسکتا ہے کہ دن کے فضائل و برکات اور اسکے فوائد و ثمرات بیشمار ہیں جو احاطۂ بصر میں نہیں آسکتے البتہ سُنے جاسکتے ہیں اسلئے اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ فرمایا۔ کیونکہ انسانی علم و ادراک کا بڑا ذخیرہ کانوں ہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، آنکھوں سے دیکھی ہوئی اشیاء ہمیشہ کانوں سے سُنی ہوئی اشیاء سے بہت کم ہوئی ہیں اور رات کے فوائد بہ نسبت دن کے فوائد کے کم ہیں وہ دیکھے بھی جاسکتے ہیں اسلئے یہاں اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ کا کلمہ اختیار فرمایا۔ (مظہری)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٧٤﴾

اور جس دن اُن کو پکارے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ

اور جُدا کردیں گے ہم ہر فرقے میں سے ایک احوال بتلانے والا، پھر کہیں گے لاؤ اپنی سند تب جان لیں گے کہ

الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٧٥﴾

سچ بات ہے اللہ کی اور کھوئی جائیں گی اُن سے جو باتیں وہ جوڑتے تھے

خُلاصۂ تفسیر

اور جس دن اللہ تعالیٰ اُن کو پکار کر فرمادے گا (تاکہ سب لوگ اُن کی رُسوائی سُن لیں) کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے اور (اگرچہ حجت تمام کرنے کے لئے خود اسکا اقرار کافی تھا مگر مزید تاکید کے لئے ان پر شہادت بھی قائم کردی جاوے گی اس طرح کہ) ہم ہر اُمت میں سے ایک ایک گواہ (بھی) نکال کرلائیں گے (مُراد اس سے انبیاء ہیں جو اُنکے کفر کی گواہی دیں گے) پھر ہم (اُن مشرکین سے) کہیں گے کہ (اب) اپنی کوئی دلیل (شرک کے دعوے کی صحت پر) پیش کرو سو (اُسوقت) اُن کو (یعین الیقین) معلوم ہو جاوے گا کہ سچی بات خدا کی تھی (جو انبیاء کے ذریعہ بتلائی گئی تھی

اور شرک کا دعویٰ جھوٹا تھا) اور (دُنیا میں) جو کچھ باتیں گھڑا کرتے تھے (آج) کسی کا پتہ نہ رہے گا۔ (کیونکہ انکشافِ حق کے لئے باطل کا غائب ہوجانا لازم ہے)۔

فائدہ اس سے پہلی آیت میں جو سوال مَاذَآ اَجَبْتُمْ میں کیا گیا اس میں کفار سے انبیاء کو جواب دینے کے متعلق باز پرس تھی اور یہاں خود انبیاء علیہم السلام سے شہادت دلوانا مقصود ہے اسلئے سوال میں کوئی تکرار نہیں۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ

قارون جو تھا سو موسیٰ کی قوم سے پھر شرارت کرنے لگا ان پر اور ہم نے دیئے تھے اسکو خزانے

مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۤ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ

اتنے کہ اسکی کنجیاں اُٹھانے سے تھک جاتے کئی مرد زور آور جب کہا اس کو اسکی قوم نے

لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ

اِترا مت اللہ کو نہیں بھاتے اترانے والے اور جو تجھ کو اللہ نے

اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ ۡ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۚ وَاَحْسِنْ كَمَآ

دیا ہے اُس سے کمالے پچھلا گھر اور نہ بھول اپنا حصہ دُنیا سے اور بھلائی کر جیسے

اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

اللہ نے بھلائی کی تجھ سے اور مت چاہ خرابی ڈالنی ملک میں اللہ کو بھاتے نہیں

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٧٧﴾ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ اَوَلَمْ يَعْلَمْ

خرابی ڈالنے والے بولا یہ مال تو مجھ کو ملا ہے ایک ہنر سے جو میرے پاس ہے کیا اُسنے یہ نہ جانا

اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً

کہ اللہ غارت کرچکا ہے اس سے پہلے کتنی جماعتیں جو اس سے زیادہ رکھتی تھیں زور

وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٧٨﴾ فَخَرَجَ عَلٰي

اور زیادہ رکھتی تھیں مال کی جمع، اور پوچھے نہ جائیں گنہگاروں سے اُن کے گناہ پھر نکلا اپنی

قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ

قوم کے سامنے اپنے ٹھاٹھ سے، کہنے لگے جو لوگ طالب تھے دُنیا کی زندگی کے اے کاش

لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿٧٩﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ

ہم کو ملے جیسا کچھ ملا ہے قارون کو بیشک اسکی بڑی قسمت ہے اور بولے جن کو

اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ

ملی تھی سمجھ اے خرابی تمہاری اللہ کا دیا ثواب بہتر ہے اُنکے واسطے جو یقین لائے اور کام کیا بھلا

وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝۸۰ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ
اور یہ بات انہی کے دل میں پڑتی ہے جو سہنے والے ہیں، پھر دھنسا دیا ہمنے اسکو اور اسکے گھر کو زمین میں
فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ
پھر نہ ہوئی اس کی کوئی جماعت جو مدد کرتی اس کی اللہ کے سوائے اور نہ وہ
مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝۸۱ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ
خود مدد لا سکا اور صبح کو لگے کہنے جو کل شام آرزو کرتے تھے اس کا سا
يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ
درجہ اے خرابی یہ تو اللہ کھول دیتا ہے روزی جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور تنگ کر دیتا ہے
لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۲
اگر نہ احسان کرتا ہم پر اللہ تو ہمکو بھی دھنسا دیتا، اے خرابی یہ تو چھٹکارا نہیں پاتے منکر

خلاصۂ تفسیر

قارون (کا حال دیکھو کہ کفر و خلاف کرنے سے اس کو کیا ضرر پہنچا اور اسکا مال و متاع کچھ کام نہ آیا بلکہ اسکے ساتھ اسکا مال و متاع بھی برباد ہوگیا، مختصر اسکا قصہ یہ ہے کہ وہ) موسیٰ (علیہ السلام کی برادری میں سے (یعنی بنی اسرائیل میں سے بلکہ ان کا چچا زاد بھائی) تھا کذا فی الدر) سو وہ کثرت مال کی وجہ سے) ان لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا اور (مال کی اسکے پاس یہ کثرت تھی کہ) ہمنے اس کو اسقدر خزانے دیئے تھے کہ اُن کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گرانبار کر دیتی تھیں (یعنی اُن سے بتکلف اُٹھتی تھیں تو جب کنجیاں اس کثرت سے تھیں تو ظاہر ہے کہ خزانے بہت ہی ہونگے اور یہ تکبر اسوقت کیا تھا) جبکہ اس کو اس کی برادری نے (سمجھانے کے طور پر) کہا کہ تو (اس مال و حشمت پر) اترا مت واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور (یہ بھی کہا کہ) تجھ کو خدا نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دُنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لیجانا) فراموش مت کر اور (مطلب اِبْتَغِ وَلَا تَنْسَ کا یہ ہے کہ) جس طرح خدا تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر اور (خدا کی نافرمانی اور حقوق واجبہ ضائع کر کے) دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو (یعنی گناہ کرنے سے دُنیا میں فساد ہوتا ہے کقولہ تعالیٰ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ بالخصوص متعدی گناہ) بیشک اللہ تعالیٰ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا (یہ سب نصیحت مسلمانوں کی طرف سے ہوئی غالباً یہ مضامین موسیٰ علیہ السلام نے اول فرمائے ہونگے پھر مکرر دوسرے مسلمانوں نے ان کا اعادہ کیا ہوگا) قارون (یہ سن کر) کہنے لگا کہ

مجھ کو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے (یعنی میں وجوہ و تدابیر معاش کی خوب جانتا ہوں اس سے میں نے یہ سب جمع کیا ہے پھر میرا تفاخر بیجا نہیں اور نہ اس کو غیبی احسان کہا جا سکتا ہے اور نہ کسی کا اسمیں کچھ استحقاق ہو سکتا ہے آگے اللہ تعالیٰ اسکے اس قول کو رد فرماتے ہیں کہ) کیا اُس (قارون) نے (اخبار متواترہ سے) یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے اُمتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت (مالی) میں (بھی) اس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور مجمع (بھی ان سے) اُن کا زیادہ تھا اور (صرف یہی نہیں کہ بس ہلاک ہو کر چھوٹ گئے ہوں بلکہ بوجہ اُن کے ارتکاب جرم کفر اور اللہ تعالیٰ کو یہ جرم معلوم ہونے کے قیامت میں بھی معذب ہونگے جیسا دہاں کا قاعدہ ہے کہ) اہل جرم سے اُن کے گناہوں کا (تحقیق کرنے کی غرض سے) سوال نہ کرنا پڑیگا (کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ سب معلوم ہے گو زجر و تنبیہ کے لئے سوال ہو لقولہ تعالیٰ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ، مطلب یہ کہ اگر قارون اس مضمون پر نظر کرتا تو ایسی جہالت کی بات نہ کہتا کیونکہ پچھلی قوموں کے حالاتِ عذاب سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور مواخذۂ اخرویہ سے اسکا احکم الحاکمین ہونا ظاہر ہے، پھر کسی کو کیا حق ہے کہ اللہ کی نعمت کو اپنی ہنرمندی کا نتیجہ بتلائے اور حقوق واجبہ سے انکار کرے) پھر (ایکبار ایسا اتفاق ہوا کہ) وہ اپنی آرائش (اور شان) سے اپنی برادری کے سامنے نکلا جو لوگ (اُس کی برادری میں) دُنیا کے طالب تھے (گو مؤمن ہوں جیسا اُن کے اگلے قول وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الخ سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے وہ لوگ) کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے واقعی وہ بڑا صاحب نصیب ہے (یہ تمنا حرص کی تھی، اس سے کافر ہونا لازم نہیں آتا، جیسا اب بھی بعضے آدمی باوجود مسلمان ہونے کے شب و روز دوسری قوموں کی ترقیاں دیکھ کر للچاتے ہیں اور اسکی فکر میں لگے رہتے ہیں) اور جن لوگوں کو (دین کی) فہم عطا ہوئی تھی وہ (ان حریصوں سے) کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو (تم اس دُنیا پر کیا جاتے ہو) اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب (اس دُنیوی کر و فر سے) ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور (پھر ایمان و عمل صالح والوں میں سے بھی) وہ (ثواب کامل طور پر) ان ہی لوگوں کو دیا جاتا ہے جو (دنیا کی حرص و طمع سے) صبر کرنے والے ہیں (پس تم لوگ ایمان کی تکمیل اور عمل صالح کی تحصیل میں لگو اور حد شرعی کے اندر دنیا حاصل کر کے زائد کی حرص و طمع سے صبر کرو) پھر ہمنے اس قارون کو اور اسکے محل سرائے کو (اس کی شرارت بڑھ جانے سے) زمین میں دھنسا دیا سو کوئی ایسی جماعت نہ ہوئی جو اس کو اللہ (کے عذاب) سے بچالیتی (گو وہ بڑی جماعت والا تھا) اور نہ وہ خود ہی اپنے کو بچا سکا اور کل (یعنی پچھلے قریب زمانہ میں) جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ (آج اسکے خسف کو دیکھ کر) کہنے لگے بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ (رزق کی فراخی

اور تنگی کا مدار خوش نصیبی یا بدنصیبی پر نہیں ہے بلکہ یہ تو محض حکمتِ تکوینیہ سے اللہ ہی کے قبضہ میں ہے بس) اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ روزی دے دیتا ہے اور (جسکو چاہے) تنگی سے دینے لگتا ہے (یہ ہماری غلطی تھی کہ اس کو خوش نصیبی سمجھتے تھے ہماری توبہ ہے اور واقعی) اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتا (کیونکہ حرص اور حُبِّ دُنیا کی معصیت کے ہم بھی مرتکب ہوئے تھے) بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی (گو چند روز مزے لوٹ لیں مگر انجام پھر خسران ہے بس فلاح معتد بہ اہلِ ایمان ہی کے ساتھ مخصوص ہے)۔

معارف و مسائل

سورۂ قصص کے شروع سے یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ قصہ مذکور تھا جو اُن کو فرعون اور آلِ فرعون کے ساتھ پیش آیا، یہاں انکا دوسرا قصہ بیان ہوتا ہے جو اپنی برادری کے آدمی قارون کے ساتھ پیش آیا اور مناسبت اسکی سابقہ آیتوں سے یہ ہے کہ پچھلی آیت میں یہ ارشاد ہوا تھا کہ دُنیا کی دولت و مال جو تمہیں دیا جاتا ہے وہ چند روزہ متاع ہے اس کی محبت میں لگجانا دانشمندی نہیں۔ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا، الآیۃ، قارون کے قصہ میں یہ بتلایا گیا کہ اُسنے مال و دولت حاصل ہونے کے بعد اس نصیحت کو بُھلا دیا اسکے نشہ میں مست ہوکر اللہ تعالےٰ کی ناشکری بھی کی اور مال پر جو حقوق واجبہ اللہ تعالےٰ کیطرف سے فرض ہیں اُنکی ادائیگی سے منکر بھی ہوگیا جس کے نتیجہ میں وہ اپنے خزانوں سمیت زمین کے اندر دھنسا دیا گیا۔

قارون ایک عجمی لفظ غالباً عبرانی زبان کا ہے اسکے متعلق اتنی بات تو خود الفاظِ قرآن سے ثابت ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری بنی اسرائیل ہی میں سے تھا۔ باقی یہ کہ اسکا رشتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا اسمیں مختلف اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس رض کی ایک روایت میں اسکو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی قرار دیا ہے اور بھی کچھ اقوال ہیں۔ (قرطبی و روح)

رُوح المعانی میں محمد بن اسحٰق کی روایت سے نقل کیا ہے کہ قارون تورات کا حافظ تھا اور دوسرے بنی اسرائیل سے زیادہ اس کو تورات یاد تھی مگر سامری کی طرح منافق ثابت ہوا اور اسکی منافقت کا سبب دُنیا کے جاہ و عزت کی بیجا حرص تھی۔ پورے بنی اسرائیل کی سیادت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھی اور انکے بھائی ہارون اُنکے وزیر اور شریکِ نبوت تھے اس کو یہ حسد ہوا کہ میں بھی تو ان کی برادری کا بھائی اور قریبی رشتہ دار ہوں میرا اس سیادت و قیادت میں کوئی حصہ کیوں نہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے اسکی شکایت کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے مجھے اسمیں کچھ دخل نہیں مگر وہ اس پر مطمئن نہ ہوا اور حضرت

موسیٰ علیہ السلام سے حسد رکھنے لگا۔

فَبَغٰى عَلَيْهِمْ، لفظ بغی چند معانی کے لئے آتا ہے۔ مشہور معنے ظلم کے ہیں، یہاں یہ معنی بھی مُراد ہوسکتے ہیں کہ اس نے اپنے مال و دولت کے نشہ میں دوسروں پر ظلم کرنا شروع کیا، یحییٰ بن سلام اور سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ قارون سرمایہ دار آدمی تھا، فرعون کیطرف سے بنی اسرائیل کی نگرانی پر مامور تھا، اس امارت کے عہدے میں اُسنے بنی اسرائیل کو ستایا۔ (قرطبی)

اور دوسرے معنے تکبّر کے بھی آتے ہیں۔ بہت سے مفسّرین نے اس جگہ یہی معنی قرار دیئے ہیں کہ اسنے مال و دولت کے نشہ میں بنی اسرائیل پر تکبّر شروع کیا اور اُن کو حقیر و ذلیل قرار دیا۔

وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ، کنوز، کنز کی جمع ہے، مدفون خزانہ کو کہا جاتا ہے اور اصطلاحِ شرع میں کنز وہ خزانہ ہے جسکی زکوٰۃ نہ دی گئی ہو۔ حضرت عطاء سے روایت ہے کہ اسکو حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک عظیم الشان مدفون خزانہ مل گیا تھا۔ (مرحم)

لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ، نَاْءَ کا لفظ بوجھ سے جُھکا دینے کے معنی میں آتا ہے اور عصبہ کے معنی جماعت کے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ اسکے خزانے اتنے زیادہ تھے کہ اُن کی کنجیاں اتنی تعداد میں تھیں کہ ایک قوی جماعت بھی ان کو اُٹھائے تو بوجھ سے جُھک جائے۔ اور ظاہر ہے کہ قفل کی کنجی بہت ہلکے وزن کی رکھی جاتی ہے جسکا اُٹھانا اور پاس رکھنا مشکل نہ ہو مگر کثرتِ عدد کے سبب یہ اتنی ہوگئی تھیں کہ ان کا وزن ایک قوی جماعت بھی آسانی سے نہ اُٹھا سکے۔ (مرحم)

لَا تَفْرَحْ، فرح کے لفظی معنے اُس خوشی کے ہیں جو انسان کو کسی لذتِ عاجلہ کے سبب حاصل ہو۔ قرآن کریم نے بہت سی آیات میں فرح کو مذموم قرار دیا جیسا کہ ایک اسی آیت میں ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ اور ایک آیت میں لَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ اور ایک آیت میں ہے فَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اور بعض آیات میں فرح کی اجازت بلکہ ایک طرح کا امر بھی وارد ہوا ہے جیسے يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ میں اور آیت فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا میں ارشاد ہوا ہے۔ ان سب آیات کے مجموعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذموم اور ممنوع وہ فرح ہے جو اترانے اور تکبر کرنے کی حد تک پہنچ جائے اور وہ جبھی ہوسکتا ہے کہ اس لذت و خوشی کو وہ اپنا ذاتی کمال اور ذاتی حق سمجھے اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان نہ سمجھے۔ اور جو خوشی اس حد تک نہ پہنچے وہ ممنوع نہیں بلکہ ایک حیثیت سے مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی شکر گزاری ہے۔

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا، یعنی مسلمانوں نے قارون کو یہ نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے جو مال و دولت تجھے عطا فرمایا ہے اسکے ذریعہ آخرت کا سامان فراہم کر، اور دُنیا میں جو تیرا حصہ ہے اُس کو نہ بھول۔

دُنیا کا حصہ کیا ہے اس کی تفسیر اکثر مفسرین نے یہ کی ہے کہ اس سے مراد دُنیا کی عمر اور اُس میں کئے ہوئے وہ اعمال ہیں جو اُس کو آخرت میں کام آویں جس میں صدقہ خیرات بھی داخل ہے اور دوسرے اعمالِ صالحہ بھی۔ حضرت ابن عباسؓ اور جمہور مفسرین سے یہی معنے منقول ہیں (کمافی القرطبی) اس صورت میں دوسرا جملہ پہلے جملہ کی تاکید و تائید ہوگی۔ پہلے جملے میں جو کہا گیا کہ جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے یعنی مال و دولت اور عمر و قوت و صحت وغیرہ ان سب سے وہ کام لے جو دار آخرت میں تیرے کام آئے اور درحقیقت دُنیا کا یہی حصہ تیرا ہے جو آخرت کا سامان بن جائے باقی دُنیا تو دوسرے وارثوں کا حصہ ہے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اُس سے اپنی آخرت کا سامان بھی کرو مگر اپنی ضروریاتِ دُنیا کو بھی نہ بھلاؤ کہ سب صدقہ خیرات کرکے کنگال بن جاؤ بلکہ بقدرِ ضرورت اپنے لئے بھی رکھو۔ اس تفسیر پر نصیبِ دُنیا سے مراد اُس کی معاشی ضروریات ہونگی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ، بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں علم سے مراد علم تورات ہے جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ قارون تورات کا حافظ اور عالم تھا اور اُن ستر اصحاب میں سے تھا جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے میقات کے لئے منتخب فرمایا تھا مگر اس کو اپنے اس علم پر ناز و غرور پیدا ہو گیا اسکو اپنا ذاتی کمال سمجھ بیٹھا اور اسکے اس کلام کا مطلب یہی تھا کہ مجھے جو کچھ مال و دولت ملا ہے میرے اپنے ذاتی کمالِ علمی کے سبب ملا ہے اسلئے میں اسکا خود حقدار ہوں اس میں مجھ پر کسی کا احسان نہیں۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ یہاں علم سے مُراد معاشی تدبیروں کا علم ہے مثلاً تجارت صنعت وغیرہ کا جن سے مال حاصل ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو مال مجھے حاصل ہوا ہے اسمیں اللہ تعالیٰ کے احسان کا کیا دخل ہے یہ تو میں نے اپنی ہوشیاری اور کارگزاری کے ذریعہ حاصل کیا ہے اور جاہل نے یہ نہ سمجھا کہ یہ ہوشیاری اور کارگزاری اور صنعت یا تجارت کا تجربہ اور علم بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا تھا اسکا کوئی ذاتی کمال نہ تھا۔

اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ، قارون کے اس قول کا کہ میرا مال و دولت میرے ذاتی علم و ہنر سے حاصل کردہ ہے اصل جواب تو وہ تھا جو اُوپر لکھا گیا ہے کہ اگر یہی تسلیم کر لیا جائے کہ اسکا سبب کوئی خاص علم و ہنر تھا تو بھی اللہ تعالیٰ کے احسان سے کیسے بری ہوا کیونکہ یہ علم و ہنر اور قوتِ کسب بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی بخشی ہوئی ہے مگر اسکا جواب بوجہ غایت ظہور کے نظر انداز فرما کر قرآن نے یہ بتلایا کہ یہ مال و دولت فرض کرو کہ اس کو اپنے ہی ذاتی کمال سے حاصل ہوا ہو مگر خود اس مال و دولت کی کوئی حقیقت نہیں، مال کی فراوانی کسی انسان کے لئے نہ کوئی کمال اور فضیلت ہے اور نہ وہ ہر حال میں اسکے کام آتا ہے اسکے ثبوت میں پچھلی اُمتوں کے بڑے بڑے سرمایہ داروں

کی مثال پیش فرمائی کہ جب اُنھوں نے سرکشی کی تو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو اچانک پکڑ لیا مال و دولت اُن کے کچھ بھی کام نہ آیا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ الآیۃ، اس آیت میں، اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ یعنی علماء کا مقابلہ اَلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا سے کیا گیا ہے جسمیں واضح اشارہ اسطرف ہے کہ متاعِ دُنیا کا ارادہ اور اس کو مقصود بنانا اہل علم کا کام نہیں اہل علم کی نظر ہمیشہ آخرت کے دائمی فائدہ پر رہتی ہے، متاعِ دُنیا کو بقدرِ ضرورت حاصل کرتے ہیں اور اُسی پر قناعت کرتے ہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ

وہ گھر ہے پچھلا ہم دیں گے وہ ان لوگوں کو جو نہیں چاہتے اپنی بڑائی ملک میں

وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ

اور نہ بگاڑ ڈالنا اور عاقبت بھلی ہے ڈرنے والوں کی جو لے کر آیا بھلائی اسکو ملنا ہے اس سے

مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ

بہتر اور جو کوئی لے کر آیا برائی سو برائیاں کرنے والے اُن کو وہی سزا ملے گی

اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

جو کچھ وہ کرتے تھے

خُلاصۂ تفسیر

یہ عالمِ آخرت (جس کے ثواب کا مقصود ہونا اُوپر (ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ میں بیان ہوا ہے) ہم اُنہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دُنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا (یعنی نہ تکبر کرتے ہیں جو باطنی گناہ ہے اور نہ کوئی ظاہری گناہ ایسا کرتے ہیں جس سے زمین میں فساد برپا ہو) اور صرف ان باطنی اور ظاہری بُرائیوں سے بچنا کافی نہیں بلکہ) نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے، (جو بُرائیوں سے اجتناب کے ساتھ اعمالِ صالحہ کے بھی پابند ہوں اور کیفیت اعمال پر جزاء و سزا کی یہ ہوگی کہ) جو شخص (قیامت کے دن) نیکی لے کر آوے گا اُس کو اُس (کے مقتضا) سے بہتر (بدلہ) ملے گا (کیونکہ نیک عمل کا اصل مقتضیٰ تو یہ ہے کہ اُس کی حیثیت کے موافق عوض ملے مگر وہاں اُس سے زیادہ دیا جاوے گا جس کا کم سے کم درجہ اس کی حیثیت سے دس گُنا ہے) اور جو شخص بدی لے کر آوے گا سو ایسے لوگوں کو جو بدی کا کام کرتے ہیں اُتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے (یعنی اسکے مقتضیٰ سے زیادہ بدلہ سزا کا نہ ملے گا)۔

معارف و مسائل

لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ، اس آیت میں دار آخرت کی نجات و فلاح کو صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص فرمایا گیا ہے جو زمین میں عُلو اور فساد کا ارادہ نہ کریں۔ عُلو سے مراد تکبر ہے یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا بنانے اور دوسروں کو حقیر کرنے کی فکر۔ اور فساد سے مراد لوگوں پر ظلم کرنا ہے (سفیان ثوری) اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر معصیت فساد فی الارض ہے کیونکہ گناہ کے وبال سے دُنیا کی برکت میں کمی آتی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ تکبر اور ظلم کا یا مطلق معصیت کا ارادہ کریں اُن کا آخرت میں حصّہ نہیں۔

فائدہ تکبر جس کی حُرمت اور وبال اس آیت میں ذکر کیا گیا وہ وہی ہے کہ لوگوں پر تفاخر اور انکی تحقیر مقصود ہو، ورنہ اپنے لئے اچھے لباس اچھی غذا اچھے مکان کا انتظام جب وہ دوسروں کے تفاخر کے لئے نہ ہو مذموم نہیں، جیساکہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

معصیت کا پختہ عزم بھی معصیت ہے اس آیت میں علو اور فساد کے ارادہ پر دار آخرت سے محروم ہونے کی وعید ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی معصیت کا پختہ ارادہ جو عزم مصمم کے درجہ میں آجائے وہ بھی معصیت ہی ہے (کما فی الروح) البتہ اگر پھر وہ خدا کے خوف سے اس ارادہ کو ترک کر دے تو گناہ کی جگہ ثواب اُسکے نامۂ اعمال میں درج ہوتا ہے اور اگر کسی غیر اختیاری سبب سے اُس گناہ پر قدرت نہ ہوئی اور عمل نہ کیا مگر اپنی کوشش گناہ کے لئے پوری کی تو وہ بھی معصیت اور گناہ لکھا جائیگا (کما ذکرہ الغزالی رح) آخر آیت میں فرمایا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ اسکا حاصل یہ ہے کہ آخرت کی نجات اور فلاح کے لئے دو چیزوں عُلو اور فساد سے اجتناب بھی لازم ہے اور تقویٰ یعنی اعمالِ صالحہ کی پابندی بھی صرف ان دو چیزوں سے پرہیز کر لینا کافی نہیں بلکہ جو اعمال ازروئے شرع فرض و واجب اُن پر عمل کرنا بھی نجاتِ آخرت کی شرط ہے۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ

جس نے حکم بھیجا تجھ پر قرآن کا وہ پھیر لانے والا ہے تجھ کو پہلی جگہ ، تو کہہ میرا رب خوب جانتا ہے

مَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۸۵﴾ وَمَا كُنْتَ

کون لایا ہے راہ کی سُوجھ اور کون پڑا ہے صریح گمراہی میں اور تو توقع

تَرْجُو أَنْ يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ ۖ فَلَا

نہ رکھتا تھا کہ اُتاری جائے تجھ پر کتاب مگر مہربانی سے تیرے رب کی سو تو

تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ ﴿۸۶﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ

مت ہو مددگار کافروں کا اور نہ ہو کہ وہ تجھ کو روک دیں اللہ کے حکموں سے

بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ ۖ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ

بعد اسکے کہ اُتر چکے تیری طرف اور بُلا اپنے رب کی طرف اور مت ہو شریک

الْمُشْرِكِينَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۘ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ

والوں میں اور مت پکار اللہ کے سوائے دوسرا حاکم، کسی کی بندگی نہیں اسکے سوائے

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۸﴾

ہر چیز فنا ہے مگر اسکا منہ اُسی کا حکم ہے اور اُسی کیطرف پھر جاؤ گے

خُلاصۂ تفسیر

(اور آپکے ان مخالفین نے جو آپ کو پریشان کرکے ترکِ وطن پر مجبور کیا ہے جسکی اضطراری مفارقت کا آپ کو صدمہ ہے تو آپ تسلی رکھیں) جس خدا نے آپ پر قرآن (کے احکام پر عمل اور اسکی تبلیغ) کو فرض کیا ہے (جو مجموعاً دلیل ہے آپکی نبوت کی) وہ آپکو (آپکے) اصلی وطن (یعنی مکہ) میں پھر پہنچائے گا (اور اُس وقت آپ آزاد اور غالب اور صاحبِ سلطنت ہونگے، اور ایسی حالت میں اگر دوسری جگہ قیام کے لئے تجویز کیجاتی ہو بمصلحت و باختیار ہوتی ہے جس سے رنج نہیں ہوتا، اور باوجود آپکے تحقق نبوت کے جو یہ لوگ آپ کو غلطی پر اور اپنے کو حق پر سمجھتے ہیں تو) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون سچا دین لیکر (منجانب اللہ) آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں (مبتلا) ہے (یعنی میرے حق پر ہونے اور تمہارے باطل پر ہونے کے دلائل قطعیہ موجود ہیں مگر جب ان سے کام نہیں لیتے تو اخیر جواب یہی ہے کہ خیر، خدا کو معلوم ہے وہ بتلا دے گا) اور (آپ کی یہ دولت نبوت محض خدا داد ہے حتیٰ کہ خود) آپ کو (نبی ہونے کے قبل یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جاوے گی مگر محض آپکے رب کی مہربانی سے اسکا نزول ہوا سو آپ (ان لوگوں کی خرافات کیطرف توجہ نہ کیجئے اور جس طرح ابتک ان سے الگ تھلگ رہے آئندہ بھی اسی طرح) ان کافروں کی ذرا تائید نہ کیجئے اور جب اللہ کے احکام آپ پر نازل ہو چکے تو ایسا نہونے پاوے (جیسا ابتک بھی نہیں ہونے پایا) کہ یہ لوگ آپکو اُن احکام سے روک دیں اور آپ (بدستور) اپنے رب (کے دین) کی طرف (لوگوں کو) بلاتے رہئیے اور (جس طرح ابتک مشرکوں سے کوئی تعلق نہیں رہا، اسی طرح آئندہ ہمیشہ) ان مشرکوں میں شامل نہو جئے اور (جس طرح ابتک شرک سے معصوم ہیں اسی طرح آئندہ بھی) اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہ پکارنا (ان آیتوں میں کفار و مشرکین کو انکی درخواستوں سے ناامید کرنا ہے اور رُوئے سخن آن ہی کی طرف ہے کہ تم جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے دین میں

موافق طبع کی درخواست کرتے ہو اسمیں کامیابی کا کبھی احتمال نہیں، مگر عادت ہے کہ جس شخص پر زیادہ غصہ ہوتا ہے اُس سے بات نہیں کیا کرتے اپنے محبوب سے باتیں کر کے اُس شخص کو سُنایا کرتے ہیں۔ معالم میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہ خطاب ظاہر میں آپؐ کو ہے اور مقصود آپ نہیں۔ یہاں تک رسالت کے متعلق مضمون قصداً تھا، گو توحید کا بھی ضمناً آگیا، آگے توحید کا مضمون قصداً ہے کہ) اُس کے سوا کوئی معبود (ہونے کے قابل) نہیں (اسلئے کہ) سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں، بجز اُسکی ذات کے پس اُسکے سوا کوئی مستحق عبادت نہ ٹھہرا، یہ مضمون توحید کا ہوگیا، آگے معاد کا مضمون ہے کہ) اُسی کی حکومت ہے (جسکا ظہور کامل قیامت میں ہے) اور اُسی کے پاس تم سب کو جانا ہے (پس سب کو اُن کے کئے کی جزا دیگا۔ یہ معاد کا مضمون بھی ختم ہوگیا)۔

معارف و مسائل

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ۔ آخر سورت میں یہ آیات رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور اپنے فریضۂ رسالت و نبوت پر پوری طرح قائم رہنے کی تاکید کے لئے ہیں، اور مناسبت اسکی سابقہ آیات سُورت سے یہ ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی قصہ فرعون اور اسکی قوم کی دشمنی اور اُس سے خوف کا، پھر اپنے فضل سے انکو قوم فرعون پر غالب کرنے کا ذکر فرمایا تو آخر سُورت میں خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے ایسے ہی حالات کا خلاصہ بیان فرمایا کہ کفار مکہ نے آپکو پریشان کیا، قتل کے منصوبے بنائے، مسلمانوں کی زندگی مکہ میں اجیرن کردی مگر حق تعالیٰ نے اپنی عادتِ قدیمہ کے مطابق آپ کو سب پر فتح اور غلبہ نصیب فرمایا اور مکہ مکرمہ جہاں کے کفار نے آپ کو نکالا تھا وہ پھر مکمل طور پر آپکے قبضہ میں آیا۔ اَلَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ، جس ذات پاک نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے یعنی اُسکی تلاوت اور تبلیغ اور اس پر عمل آپ پر فرض فرمایا ہے وہ ہی ذات آپ کو پھر معاد پر لوٹائے گی۔ معاد سے مراد مکہ مکرمہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے معاد کی یہ تفسیر منقول ہے مطلب یہ ہے کہ اگرچہ چند روز کے لئے آپ کو اپنا وطن عزیز خصوصاً حرم اور بیت اللہ چھوڑنا پڑا مگر قرآن کا نازل کرنے والا اور اُسپر عمل کو فرض کرنے والا خدا تعالیٰ آخر کار آپ کو پھر مکہ میں لوٹا کر لائیگا۔ ائمۂ تفسیر میں سے مقاتل کی روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت غار ثور سے رات کے وقت نکلے اور مکہ سے مدینہ جانے والے معروف راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستوں سے سفر کیا کیونکہ دشمن تعاقب میں تھے۔ جب مقام جحفہ پر پہنچے جو مدینہ طیبہ کے راستہ کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے اور وہاں سے وہ مکہ سے مدینہ کا معروف راستہ ملجاتا ہے اسوقت مکہ مکرمہ کے راستہ پر نظر پڑی تو بیت اللہ اور وطن یاد

آیا، اُسی وقت جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے جس میں آپ کو بشارت دی گئی ہے کہ مکہ مکرمہ سے یہ جُدائی چند روزہ ہے اور بالآخر آپ کو پھر مکہ مکرمہ پہنچا دیا جائیگا جو فتح مکہ کی بشارت تھی۔ اسی لئے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت جحفہ میں نازل ہوئی ہے نہ مکی ہے نہ مدنی (قرطبی)

قرآن دشمنوں پر فتح اور مقاصد میں کامیابی کا ذریعہ ہے

اس آیت میں آپ کو دوبارہ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ واپسی کی بشارت اس عنوان سے دی گئی ہے کہ جس ذاتِ حق نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے آپ کو دشمنوں پر غالب کر کے دوبارہ مکہ مکرمہ لوٹائے گا، اسمیں اشارہ اسطرف بھی ہے کہ قرآن کی تلاوت اور اُس پر عمل ہی اس نصرتِ خداوندی اور فتح مبین کا سبب ہوگی۔

كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ اس آیت میں وجہ سے مراد ذاتِ حق سبحانہ وتعالیٰ ہے اور معنے یہ ہیں ذات حق سبحانہ وتعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک و فنا ہونے والی ہے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ وجہ سے مراد وہ عمل ہے جو خالص اللہ کے لئے کیا جائے، تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ جو عمل اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص کے ساتھ کیا جائے وہ ہی باقی رہنے والا ہے باقی سب فانی ہے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

الحمد للہ سُورۂ قصص آج ۹ ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ کو ایسے حالات میں تمام ہوئی کہ پاکستان پر ہندوستان اور دوسری بڑی طاقتوں کے گٹھ جوڑ سے شدید حملہ ہوا اور چودہ روز کراچی پر روزانہ بمباری ہوتی رہی، شہری آبادی کو جا بجا سخت نقصان پہنچا، سیکڑوں مسلمان شہید اور مکانات منہدم ہوئے، اور چودہ دن کی جنگ اس حادثہ جانکاہ پر ختم ہوئی کہ مشرقی پاکستان پاکستان سے کٹ گیا اور تقریباً نوے ہزار پاکستانی فوج نے وہاں محصور ہو کر ہتھیار ڈالدیئے اور اسوقت تک وہاں مسلمانوں کا قتلِ عام جاری ہے، ہر مسلمان کا دل اس صدمہ سے پاش پاش اور دماغ ماؤف ہے، فانا للہ وانا الیہ راجعون

والیہ المشتکیٰ ولا ملجأ ولا منجا من اللہ الا الیہ